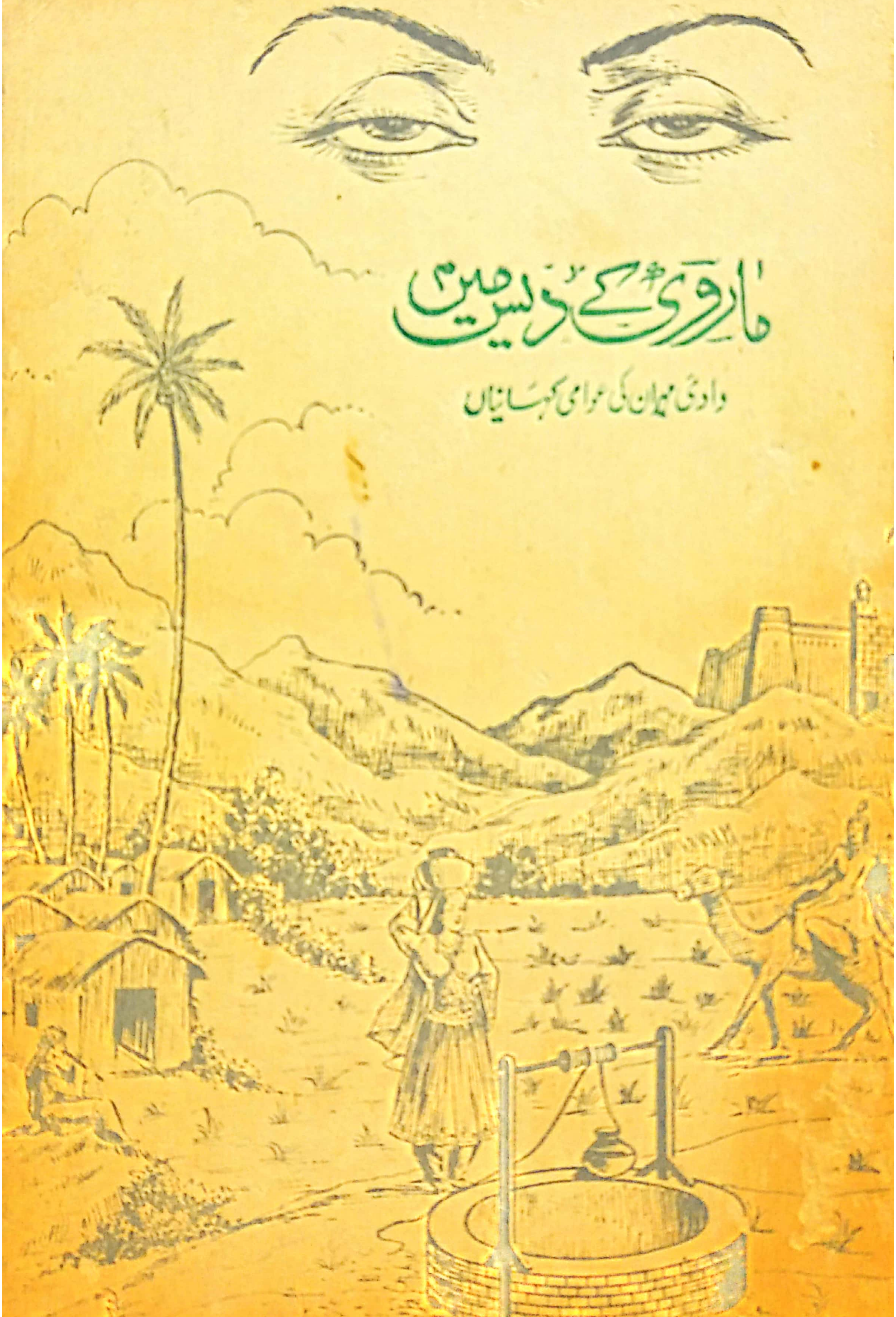
ماروی کے دیس میں

وادئ مہران کی عوامی کہانیاں



باسمہٖ تعالیٰ

ماروی کے دیس میں

تصنیف

شیخ عبدالرزاق راز

ترتیب

آفاق صدیقی

پاکستان رائٹرز گلڈ • سب ریجن سکھر

طبع اوّل ـــــ نومبر ۱۹۶۰ء

تعداد ـــــ ایک ہزار

سرِورق

ڈیزائن ـــــ اے، آر خاں پریمی

طباعت ـــــ امیر پرنٹنگ پریس سکھر

اندرونی صفحات

کتابت ـــــ محمد ایوب

طباعت ـــــ اتحاد پرنٹنگ پریس سکھر

قیمت :- ۸عہ

سول ایجنٹ

گل بک ڈپو نیم کی چاڑی سکھر

اِنتساب

اپنے مخلص دوست

سلیم معینی

کے

نام

ش۔ ع۔ راز

فہرست

ہمارا منشور

"ہم پاکستان کی جملہ زبانوں کے ادیب خود کو مادرِ وطن کی ترقی، عظمت، بین الاقوامی امن کے آدرش اور انسانیت کی ترقی کے لئے وقف کرتے ہیں، ہم ان حقوقِ انسانی پر ایمان رکھتے ہیں جن کی تشریح اقوامِ متحدہ کے منشور میں کی گئی ہے۔ بہ حیثیت ادیب کے ہم اپنے خیالات کے اظہار اور ترسیل کی آزادی کے لئے بنیادی حقوق کے حامی ہیں جس کے بغیر تخلیقی ادب بے مقصد ہوتا ہے۔ ہمیں اپنی ان عظیم روایات پر جو ہمیں ماضی سے ملی ہیں، پورا فخر ہے۔ ہم ان کے تحفظ اور ان کو مزید فروغ دینے کا عہد کرتے ہیں۔ ہم اپنے مقدس فرض سے جو صداقت کی عکاسی، حبِ وطن کی قدروں کی نشو ونما، بین الاقوامی اخوت اور تعاون کے فروغ اور انسانی تعلقات کے قیام سے متعلق ہے، کماحقہٗ آگاہ ہیں تاکہ انسانیت زیادہ سے زیادہ راحت، طمانیت اور وقار کے ساتھ اپنا وجود باقی رکھ سکے۔

ادیب ہونے کی حیثیت سے فرداً فرداً اور اجتماعی طور پر ہم ایک خوشحال اور صحت مند معاشرے کی ترقی کے لئے اپنی ذمہ داری کو قبول کرتے ہیں، جس میں سب کے لئے آزادانہ اور مساوی مواقع فراہم ہوں اور جہاں دولت و اقتدار انسانی قدروں اور روحانی تصورات کے تابع ہوں۔ اسی لئے علم و سائنس کی ترقی کو دنیا میں امن اور خوشحالی کے فروغ کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔"

(پاکستان رائٹرز گلڈ کے تاسیسی اجلاس میں بروز ۳۱ جنوری ۱۹۵۹ء منظور ہوا) ——!

حرفِ آغاز

ماروی کے دیس میں حسن و محبت کی جو کہانیاں عوام و خواص بڑے شوق سے سنتے سناتے رہے ہیں وہی کہانیاں سندھی کے قابلِ قدر ادیب و شاعر شیخ عبدالرزاق راز نے اردو میں پیش کی ہیں۔ ان میں سے کچھ کہانیاں پہلے بھی اردو میں لکھی گئی ہیں اور دو ایک فلمائی بھی جا چکی ہے، لیکن یہ پیشکش اس لحاظ سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہے کہ اس میں شاہ لطیف بھٹائیؒ کے کلام کی مدد سے وادیٔ مہران کی ان عوامی کہانیوں کو زیادہ پُرکشش بنایا گیا ہے۔

شاہ لطیف نے اپنے ہر دلعزیز کلام میں سسی پنوں، مومل رانو، لیلا چنیسر، نوری و جام تماچی اور عمر ماروی جیسی مشہور عشقیہ کہانیوں کے اہم کرداروں کو تصوف پسند شاعرانہ اعجاز سے نئی زندگی عطا کی ہے۔ شاہ کے یہاں ان کہانیوں کے خاص کردار ایسے استعاروں کی حیثیت رکھتے ہیں جن سے انہوں نے اپنے نظریۂ زندگی کو عام لوگوں تک پہنچانے کا کام لیا ہے۔

اب سے دس بارہ سال پہلے اردو داں طبقہ کے لئے شاہ لطیف کا کلام بھی نیا تھا اور اس علاقہ کی یہ علاقائی کہانیاں بھی۔ لیکن جدید اردو ادب میں علاقائی ادب اور ادیبوں سے راہ و رسم بڑھانے کا رجحان اب دن بہ دن ابھرتا جا رہا ہے اور ہم شدت سے محسوس کرنے

لگے ہیں کہ پاکستانی ادب کی ترقی و توسیع کے لئے یہ انتہائی ضروری ہے کہ قدیم و جدید علاقائی ادب کو صرف علاقائی زبانوں تک محدود نہ رہنے دیں، بلکہ اردو کے ذریعہ دور دراز علاقوں تک پہنچا سکیں۔ اس طرزِ عمل سے ایک طرف تو یہ فائدہ ہے کہ اردو ادب میں ہیئت و مواد کے لحاظ سے کچھ قابلِ قدر اضافے ہو رہے ہیں اور دوسری طرف علاقائی زبانوں کے اہلِ قلم اپنی مادری زبان کے علاوہ اردو میں بھی لکھنے کی کوشش کر رہے ہیں خاص طور پر مغربی پاکستان کے علاقائی ادیب تو اس جد و جہد میں پیش پیش ہیں۔

سندھی زبان کا سرمایۂ ادب مغربی پاکستان کی دیگر علاقائی زبانوں سے زیادہ ہے۔ موجودہ دور میں بھی اس زبان کے بہت سے لکھنے والوں میں کچھ ایسے صاحبِ طرز اہلِ قلم موجود ہیں جنکی ادبی تخلیقات سے پاکستان کے خوشگوار ادبی مستقبل کی خوشگوار توقعات وابستہ کی جا سکتی ہیں۔

سندھ میں سندھی کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی لکھنے لکھانے کا سلسلہ اس زمانہ سے رہا ہے جب اردو ادب اپنے ابتدائی دور میں تھا۔ اس سلسلہ میں ایک دو نہیں بلکہ بہت سے ایسے نام آتے ہیں جن کے کام سے اردو ادب کی تاریخ میں ایک اور باب کا اضافہ ہو سکتا تھا، لیکن اب تک کسی ادبی ادارے یا کسی ادیب نے اس طرف توجہ نہ کی۔ ممکن ہے کہ مستقبلِ قریب میں اس قسم کی کوئی کوشش کیجا سکے اور اس علاقے نے اردو ادب کے ارتقاء میں جو حصہ لیا ہے اسے تاریخِ ادب میں کوئی مقام حاصل ہو سکے۔

دورِ حاضرہ کے سندھی ادیبوں اور شاعروں میں بھی چند قابلِ ذکر ادیب و شاعر ایسے ہیں جو اردو میں لکھتے ہیں اور اچھا لکھتے ہیں۔ ان لکھنے والوں میں شیخ ایاز اور

شیخ عبدالرزاق رازؔ سے میں نسبتاً زیادہ قریب رہا ہوں۔ ان دونوں دوستوں کا مجھ پر یہ احسان ہے کہ انہوں نے مخلصانہ طور پر مجھے سندھی ادب کی طرف رجوع کیا۔ اب تک جو کچھ میں سندھی ادب اور ادیبوں کے بارے میں جان سکا ہوں اس میں ان حضرات کی ادب دوستی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

شیخ ایازؔ کی اردو نظموں کا مجموعہ "بوئے گل نالۂ دل" کے نام سے ہم پہلے شائع کر چکے ہیں، اور اب نثری ادب میں شیخ رازؔ کی لکھی ہوئی اس کتاب کو ادارۂ مصنفین پاکستان کی مقامی شاخ کے زیر اہتمام شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

اِدارۂ مصنفین پاکستان کے قیام و عمل نے پاکستانی ادیبوں میں نئے عزم و یقین کے ساتھ اشتراکِ عمل کا جو جذبہ پیدا کیا ہے اس سے نہ صرف ادیبوں کے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں بلکہ ادبی ترقی و ترویج میں بھی بڑی مدد مل سکتی ہے۔

پاکستانی ادیبوں کے اس ادارہ نے وسیع پیمانہ پر ایک دارالاشاعت قائم کرنے کا بھی اہتمام کیا ہے۔ یہ دارالاشاعت ان تمام مصنفین کی تصانیف کو شائع کرے گا جو اراکین میں شامل ہوں گے۔ لیکن فی الحال ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ اس کتاب کی طباعت و اشاعت کا انتظام مقامی تنظیم ہی کی طرف سے ہو۔

ہمیں امید ہے کہ ادارۂ مصنفین پاکستان کے اراکین اور قارئینِ ادب شیخ عبدالرزاق رازؔ کی اس ادبی کوشش کو پسند کریں گے۔ موصوف نے اس کتاب میں جو کہانیاں پیش کی ہیں ان کی زبان سلیس و سادہ ہے، اور میرے نقطۂ نظر سے اس اُردو کا نمونہ ہے جو آجکل ہم پاکستانی اپنی عام بول چال میں استعمال کرتے

ہیں :۔

گلڈ کی مقامی شاخ اپنے اشاعتی منصوبے کے تحت آئندہ بھی کچھ ایسی کتابیں شائع کرنے کا ارادہ رکھتی ہے جو علاقائی ادب کو بحسن و خوبی روشناس کرا سکیں ۔ اس سلسلہ کی دوسری پیشکش نظم و نثر کی ان منتخب تحریروں پر مشتمل ہوگی جو سندھی ادب سے تعلق رکھتی ہوں ۔ ان تحریروں میں مشہور سندھی شعراء کے منظوم اردو ترجمے، قدیم و جدید سندھی ادب پر تحقیقی و تنقیدی مضامین اور افسانوی ادب کے مثالی شاہکار پیش کئے جائیں گے ۔

آفاق صدیقی

اعزازی سکریٹری

کہانیوں کے روحانی رموز و نکات

شاہ لطیف کے کلام کا بیشتر حصہ حسن و محبت کے راز و نیاز کا آئینہ دار ہے۔ انہوں نے اپنے کلام میں وادیٔ مہران کی عوامی کہانیوں سے منظوم تمثیل نگاری کا کام لیا ہے۔ اور مختلف و متضاد کرداروں میں ایسے رموز و نکات ظاہر کئے ہیں جن سے روحانی گہرائی و گیرائی کا سبق ملتا ہے۔ شاہ لطیف وادیٔ مہران کے نہ صرف عظیم شاعر تھے بلکہ ایک بڑے مفکّر اور روحانیت کے مبلّغ اعظم تھے۔ انہوں نے اپنے دل آویز کلام میں اس قدیم تہذیبی خطّہ کی تہذیب و تمدّن، بود و باش اور ہر قسم کی ثقافتی رنگا رنگی کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا ہے صوفیانہ مضامین کو مجازی رنگ اور عاشقانہ کیف و سرور کے ساتھ بڑی خوش اسلوبی سے نبھایا ہے جس سے ایک بڑے آرٹسٹ ہونے کا پورا ثبوت ملتا ہے۔ شاہ کے یہاں کثرت، وحدت ہے اور وحدت، کثرت۔ جو عاشق ہے، وہی معشوق۔ سسئی کی زبان میں شاہ کہتے ہیں ؎

"وہم نے مجھے گمراہ کر دیا ورنہ میں خود ہی پنول تھی۔"

میرا موضوع شاہ کی شاعری پر بحث کرنا نہیں ہے۔ بلکہ اس کتاب میں پیش کی ہوئی کہانیوں کے بارے میں مختصر طور پر اظہارِ خیال کرنا چاہتا ہوں۔

شاہ اپنے کلام میں کوئی پوری داستان نہیں پیش کرتے بلکہ ایسے جاندار حوالے مہیا کرتے ہیں جن سے پوری کہانی مرتب کی جاسکتی ہے۔ یہ حوالے انہوں نے پرانے زمانہ کی ان عوامی کہانیوں سے اخذ کئے ہیں جو عوام میں بیحد مقبول تھیں۔ شاہ نے اپنے شاعرانہ اندازِ بیان اور تخلیقی جدت طرازی سے انہیں وہ سوز و گداز عطا کردیا ہے کہ جیسے ؎

کوئی چارہ ہی نہیں شاید محبت کے فسانے کی

سناتا جارہا ہے جس کو جتنا یاد ہوتا ہے

مومل رانو کی داستان میں معشوق عاشق کا طلبگار ہوتا ہے۔ مومل پریشان و سرگرداں اپنے عاشق کی تلاش میں نکلتی ہے ؎

تشنگاں گر آبِ جویند از جہاں آب ہم جوید بعالم تشنگاں

کے مصداق اس داستان کے مضامین اس لئے "طلب معکوس" کے طور پر باندھے گئے ہیں جس سے طالب مطلوب ہو جاتا ہے اور مطلوب، طالب بنجاتا ہے۔ مومل انسانوں کا شکار کھیلتی رہی اور ہر معرکہ میں اپنے آپ کو بچاتی رہی، رانو کی جانبازی نے اس کا طلسم توڑ دیا۔ رانو کا عشق کامیاب ہوا۔ وہ مومل جو کسی کو خاطر میں ہی نہ لاتی تھی رانو کی لمحہ بھر کی جدائی بھی گوارا نہ کرسکی۔ فراقِ یار میں مومل نے اپنی بہن کو رانو کا لباس پہنا کر اپنے ساتھ سلایا۔ رانو کسی غیر کو اپنی محبوبہ کے پہلو میں دیکھ کر زندگی بھر کے لئے مومل سے الگ ہوا۔ مومل تڑپنے لگی۔ اور خود عاشق و طالب بن کر اپنے محبوب کی تلاش میں دربدر کی ٹھوکریں کھانے لگی۔ محبت کی آزمائش پوری ہوئی۔ آخر کار محبت کی لافانی آگ میں دو فانی جسم جل گئے اور روحیں ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کی ہوگئیں۔ اس داستان کی رمزیت یہ ہے کہ انسان مجاہدہ و مکاشفہ کرنے کے بعد اللہ کو پالیتا ہے۔ پہلے وہ اپنے دل کی تمام گہرائیوں سے اللہ کو چاہتا ہے، پھر اللہ اُسے چاہنے لگتا ہے اور اس طرح طالب، مطلوب بنجاتا ہے

اور مطلوب، طالب ہو جاتا ہے۔

لیلا و چنیسر کی کہانی میں شاہ صاحب نے انسانی حرص و ہوس کا محاسبہ کیا ہے۔ لیلا نفس کے جال میں پھنس کر چنیسر کی محبت پر لعل و گوہر کو ترجیح دیتی ہے۔ اس حرص و ہوا کی وجہ سے وہ اپنے محبوب کی محبت سے محروم ہو جاتی ہے اور پھر بہت زیادہ پشیمان و تائب ہونے کے باوجود بھی جیتے جی چنیسر کو حاصل نہیں کر پاتی ہے۔ شاہ نے اس داستان میں مادّی و روحانی اقدار کے تقابل سے یہ نکتہ واضح کیا ہے کہ طلبِ حقیقی کی راہ میں دنیاوی ساز و سامان اکثر و بیشتر گمراہی کا سبب بنتے ہیں۔ صحیح معنوں میں طالبِ حقیقی وہ ہے جو حق کی طلب میں باطل کے کسی فریب کا شکار نہ ہو۔ اس قسم کی طلب کے لئے طالب کو مطلوب کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے میں بھی دریغ نہ کرنا چاہیئے۔

سورٹھ کی کہانی میں شاہ لطیف نے طریقت کی منزل کا ذکر کیا ہے۔ اس کہانی میں مرید سلوک کی منزلیں طے کرنے کے لئے اپنے مرشد کے تمام ارشادات کی تعمیل کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ راستہ چاہے کتنا ہی پُر خطر اور پُر خوف ہو اس کے پاؤں ہرگز نہیں ڈگمگاتے اور وہ رضائے مرشد میں محو ہو کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ محبوب کے ایک اشارہ پر اپنا سرمایۂ حیات بھی قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ رائے دیاس بھی ایک مرید ہے جو سلوک کی منزلیں طے کرنے کے لئے اپنا سب کچھ دینے کو تیار ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ اپنا سر قربان کر کے ایک سعادت مند پیروکار کی مثال پیش کرتا ہے۔ اس کے لئے اس کا مرشدِ کامل ہی حقیقی محبوب ہے جس کے ایک اشارے پر جان نچھاور کر دیتا ہے اور والہانہ طور پر کہتا ہے کہ ایک سر کیا، اگر ہزاروں سر ہوں تو بھی تیری آنکھ کی جنبش پر کاٹ کر رکھ دوں۔

عمر و ماروی کی داستان اس دیس کی مشہور و معروف کہانی ہے اور صوفیائے کرام

کے حلقہ میں ایک اہم اور مقبول موضوعِ بحث رہی ہے۔ شاہ لطیف سے پہلے بھی صوفی شعراء نے اس کہانی میں خاص دلچسپی لے کر اپنے موضوعِ سخن کے لئے منتخب کیا۔ اس کہانی میں "وفاداری بشرطِ استواری عینِ ایمان ہے" کے مصداق عہدِ میثاق کی اشاریت و ایمائیت بیان کی گئی ہے۔ اس وقت جبکہ عالمِ عدم میں خداوندِ کریم کی ذات و صفات پوشیدہ تھیں تو "کُن" کی آواز سے یہ کائنات وجود میں آئی۔ خالقِ کائنات نے روحوں کو پیدا کر کے حلفِ وفاداری اٹھوایا اور انہیں عالمِ ارواح میں رکھا۔ ماروی کا دیس ملیر گویا عالمِ ارواح تھا اور ماروی اس عالمِ ارواح کی ایک روح جس نے اپنے محبوب مارو سے وفاداری کا عہد کیا اور اس عہد کا پاس کرتے ہوئے عمر کے کسی سبز باغ کو دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ روحیں بھی اسیطرح عشقِ الٰہی سے سرشار ہیں اور جب انہیں زمین پر اترنے کا حکم ہوا تو گویا وہ پردیس میں آگئیں اور اپنے اصلی وطن کو ہمیشہ یاد کرتی ہیں۔

صوفیائے کرام کے نزدیک یہ دنیا اور یہ زندگی ایک زنداں ہے، وہ ہمیشہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ ماروی بھی عمر کے محل میں گویا کسی قید خانے کی اسیر تھی اسے اپنا عہدِ وفا یاد تھا اور اس لئے وہ شاہی محل کی عیش و عشرت کو اپنے لئے حرام سمجھتی تھی۔ وہ اپنے ارادے پر اٹل رہی اس کا کردار مستقل مزاجی اور وطن دوستی کی ایک لافانی مثال ہے، جسے رہتی دنیا تک لوگ یاد کرتے رہیں گے۔

نوری اور جام تماچی کی کہانی میں شاہ لطیف نے عجز و نیاز کا درس دیا ہے۔ نوری جو ذات کی ایک مچھیرن تھی جام تماچی جیسے مشہور فرمانروا کی محبوبہ بننے کے بعد بھی غرور و نخوت سے دور رہتی ہے اور سادہ و دلآویز عجز و انکسار سے ایسی بلند کرداری کا ثبوت دیتی ہے کہ جام تماچی اس کا تہ دل سے گرویدہ ہو جاتا ہے اور اپنی تمام رانیوں پر ترجیح دے کر

اسے مہارانی کا درجہ عطا کرتا ہے۔ خداوند تعالیٰ بھی اس بندے سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے جو غرور و نخوت سے پرہیز کرے اور دنیاوی یا دینی مدارج حاصل کرنے کے باوجود عجز و انکسار سے اپنی زندگی گذارے۔

سسّی پنوں کی داستان میں احساسِ مہجوری اور طلبِ حقیقی کی راہ میں بڑی سے بڑی مصیبت کو برداشت کرنے کا جذبہ سسّی کے کردار میں شدّت سے موجود ہے۔ اس کی ذرا سی غفلت سے فائدہ اٹھا کر پنوں کے بھائی بھنبھور سے پنوں کو لے اُڑتے ہیں۔ سسّی جب خوابِ غفلت سے چونکتی ہے تو اپنے پیارے پنوں کو نہیں پاتی۔ تلاش و تجسّس کا آغاز ہوتا ہے۔ وہ کھوئے ہوئے پنوں کو ڈھونڈھنے نکلتی ہے۔ کوہ و بیاباں کے بھیانک راستوں اور خوفناک جنگلوں میں شب و روز بھوکی پیاسی بھٹکتی پھرتی ہے۔ اسکا مقصد و مدعا، اس کا نصب العین اور اس کا دین و ایمان سب کچھ پیارے پنوں کے وصال پر مرکوز ہوجاتا ہے، لیکن باوجود تلاشِ بسیار کے وہ پنوں کو نہیں پاتی اور راہِ طلب میں اپنی جان دیدیتی ہے۔ جس طرح سسّی نے صبر و استقلال، ایثار و قربانی، ثابت قدمی و بلند ہمتی سے ہر قسم کی تکالیف گوارا کرتے ہوئے راہِ طلب سے منھ نہ موڑا اسی طرح سالک کے لئے نفس اور نفسانی ہیجانات مصنوعی اذیتیں ہیں۔ یہ اور ایسی دوسری تمام رکاوٹیں اسے راہِ حقیقت سے بھٹکانے کا خوف و ہراس طاری کرتی ہیں۔ لیکن جب وہ بادۂ معرفت سے سرشار ہوکر کسی قسم کی دشواریوں کو خاطر میں نہیں لاتا بلکہ ان پر غالب آجاتا ہے تو حقیقت کی راہ روشن ہونے لگتی ہے اور اس کی طلب کو تائیدِ غیبی حاصل ہوجاتی ہے۔

شیخ عبدالرزاق راز

"افسانوں میں عموماً جو محبت پیش کی جاتی ہے اور جو عام طور پر سب میں زیادہ دلکش اور دلفریب بھی سمجھی جاتی ہے وہ ایک نوجوان مرد اور نوجوان عورت کی ہے۔ عشق کا یہی افسانہ ہے جسے ہر قوم نے اپنے ابتدائی احساس سے لیکر تہذیب کی انتہائی ترقی تک پہنچنے کے بعد تک دہرایا ہے ہر قوم اسی فریب میں گرفتار ہوئی اور اس نے اُسے اپنی سب سے بڑی خوبی جانا ہے۔ ہر قوم نے صرف اسی محبت کو اپنی اور دنیا کی تخلیق کا راز سمجھا، لیکن باوجود اس خیال میں متفق ہونے کے مختلف قوموں نے جس طرح اس عشق کا اظہار کیا وہ ایک دوسرے سے جُداگانہ ہے۔ ادب میں عموماً اور افسانے میں خصوصاً اس اختلاف نے ایک سے زیادہ دلکش شکلیں اختیار کرلی ہیں۔

سیّد وقار عظیم

مؤمل ورآلو

مومل رانو

پندرھویں صدی کی ابتدا کا ذکر ہے جب حمیر نامی سومرہ خاندان کا حکمران سندھ کے تھرطی علاقہ پر حکومت کرتا تھا۔ اس کا دارالخلافہ سندھ کا قدیم شہر عمرکوٹ تھا۔ ایک دن وہ اپنے تین وزیروں کے ہمراہ شکار کھیلنے کے لئے روانہ ہوا۔ شکار کھیلتے ہوئے چند دلوں میں وہ اپنے دارالحکومت سے کافی دور نکل گئے۔ ایک دن صبح کو وہ اپنے تینوں ساتھیوں کے ساتھ اپنے کیمپ سے شکار کی تلاش میں نکلے۔ کوئی شکار ہاتھ نہ آیا اور سورج سر کے اوپر آگیا وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک درخت کے نیچے کچھ دیر کے لئے سستانے بیٹھ گیا۔ ابھی یہ بیٹھے ہی تھے کہ سامنے ایک سادھو کو اس بیابان سے گذرتے ہوئے دیکھا۔ انہیں بڑا تعجب ہوا کہ اس شدت کی گرمی میں یہ سادھو اکیلا بغیر کسی خوف وخطر کے سیر کر رہا ہے۔ حمیر سومرہ کا اشتیاق بڑھا اور وہ اس سادھو کی حقیقت سے آگاہ ہونا چاہا۔ یہ سوچتے ہی وہ فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اس کے وزرا بھی اس کے پیچھے روانہ ہوئے۔ آنکھ جھپکتے ہی یہ چاروں دوست سادھو کے سامنے آن پہنچے۔ سادھو اپنی

دھن میں مگن نہایت اطمینان سے اپنا سفر طے کر رہا تھا اُسے کسی کی پرواہ نہ تھی۔ وہ شانِ بے نیازی سے آگے بڑھتا رہا۔ گویا یہ گھوڑے سوار کوئی بھی کیوں نہ ہوں اس کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ وہ دشت نوردی کا متوالا اپنی ہی دُھن میں مگن رہا اور یہ چاروں دوست اس کی بے باکی کو دیکھ کر کچھ پریشان ہو گئے۔ اس درویش نے اپنا عجب حلیہ بنا رکھا تھا۔ سارا جسم مٹی سے بھرا ہوا تھا۔ آنکھیں سرخ اور کسی چیز کی متلاشی تھیں۔ چہرہ گرد آلود ہونے کے باوجود حسین اور بارعب نظر آرہا تھا جیسے کہ سورج کی ضیاء بادلوں سے چھن کر آ رہی ہو۔ کاندھوں پر سبز رنگ کی شال، گلے میں ایک سونے کی مالا اور سر پہ ایک فقیرانہ تاج تھا۔ جب وہ نظر اوپر کرتا تھا تو ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے آنکھوں سے شعلے نکل رہے ہوں۔ ایسی صورت دیکھ کر یہ چاروں دوست حیران رہ گئے۔ آخر رانا وزیر ہمت کر کے آگے بڑھا اور سادھو سے مصافحہ کیا اور بڑی عاجزی سے سوال کیا۔ اے درویش! اگر خطا معاف ہو تو میں یہ سوال کروں کہ آپ نے اپنی یہ حالت کیسے اور کیوں بنائی؟ اور اس شدت کی گرمی میں دشت پیمائی میں سرگرداں کیوں ہیں؟ سادھو اپنے سوال کنندہ کو ایک نظر دیکھنے کے بعد ایک لمبی سانس لے کر کہنے لگا کہ آپ اس چکر میں مت پڑئیے اور اپنا کام کیجئے اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے۔

اس گفتگو کے بعد حمیر سومرہ آگے بڑھا اور بہت عاجزی سے فقیر سے التجا کی کہ اے روشن ضمیر فقیر! ہم لوگ بھی مسافر ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ اپنی مصیبت بتائیں شاید ہم لوگ کچھ کام آسکیں۔ درویش کی آنکھوں

سے آنسو جاری ہو گئے اور رونے سے اس کا برا حال ہو گیا۔ اس نے کہا کہ اگر تم لوگ میرا حال نہ پوچھو تو اچھا ہے۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اور میرے زخموں کو تازہ نہ کرو۔ تم اصرار کرتے ہو تو سنو۔

"اس لڑکی کی آنکھوں میں فولاد کے خنجر ہیں۔ وہ ان خنجروں سے امیروں کے سینوں کو زخمی کر دیتی ہے۔ کاک کے کنارے ایسے جاں نثاروں کی کتنی ہی قبریں موجود ہیں۔"

"آپ کی داستانِ غم ہم لوگ سمجھ نہ سکے۔" دوستوں نے کہا۔

"ذرا وضاحت سے سنائیے۔"

پھر درویش کچھ اشعار پڑھنے لگا۔

"چلئے کاک کی طرف چلئے۔ جہاں عشق کا دریا موجیں مار رہا ہے وہاں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ ہر ایک محبوب کو دیکھ سکتا ہے۔"

اب یہ چاروں دوست بڑے بیتاب ہوئے اور درویش کی روئداد سننے کے لئے زیادہ مشتاق ہوئے۔ تھوڑی دیر رک کر درویش نے غمگین لہجے میں کہا۔

"میں بھی کبھی تم لوگوں جیسا ہی شہزادہ تھا۔ اپنے ملک میں حکمرانی کیا کرتا تھا۔ آرام و آسائش سے زندگی گذر رہی تھی۔ مومل کے حسن کی شہرۂ آفاق تعریف سن کر میں غائبانہ اس سے عشق کرنے لگا اور اس حسنِ بے نظیر کا دیدار کرنے کے لئے اپنی دارالحکومت سے مال و اسباب کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ لڈانہ شہر میں کاک

کے کنارے پر اس سنگدل حسینہ کا محل واقع ہے۔"

درویش کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں اور وہ پھر اشعار پڑھنے لگا۔

"موئن تو ہمیشہ امیروں کو مارتی ہے اور شکاریوں کو پکارتی ہے اس حسینہ نے عالموں، درویشوں، پنڈتوں اور پیروں کو ڈرا رکھا ہے، وہ ان پر تیر برساتی ہے جن کے سروں پر شاہی تاج ہیں۔" ہم بھی اس فریب کا شکار بنے۔ اپنا سارا مال و اسباب ضائع کر کے اس یارِ بے نیاز کے فراق میں فقیرانہ صورت بنائے صحرا نوردی اختیار کی۔ دل و دماغ پر اس کی تصویر چھائی ہوئی ہے۔ صرف ایک بار اس کی زیارت نصیب ہوئی ہے۔ باقی تمام عمر اس کی یاد کرتا رہوں گا۔"

پھر وہ موئن کے بعد اس کی سہیلیوں کی تعریف میں اشعار پڑھنے لگا۔

"جیسے کہ گلاب کے پھول ہوں ویسے ان کے لباس تھے۔ ان کی چوٹیاں چنبیلی کے تیل سے گندھی ہوئی تھیں۔ وہ سونے جیسی خوبصورت شہزادیاں چاندی سے کھیلتی ہیں۔ ان کے محلوں میں عود مہکتا ہے اور بستروں سے عود کی اور مشک کی خوشبو آتی ہے ان کے غسلخانوں میں عنبر کی مہک ہے۔ ان کے عاشق قطار در قطار ان کے حسن کو حیرت سے دیکھ رہے ہیں۔"

ابھی تک یہ معمہ حمیر سومرہ اور اس کے ساتھیوں کے لیے معمہ ہی رہا وہ ابھی تک معاملہ کو سمجھ نہیں سکے تھے اور تفصیلی بحث سے آگاہ ہونا چاہتے

تھے۔ وہ درویش سے التجا کرنے لگے کہ مفصل احوال سے انہیں باخبر کرے اور جواباً درویش نے کہنا شروع کیا۔

" وہ مومل جس کا میں ذکر کر رہا ہوں، ماتھیلے کے حاکم راجا نند کی سب سے چھوٹی صاحبزادی حسن و جمال میں کوئی نظیر نہیں رکھتی اس کی بڑی بہن سومل ہوش و خرد میں لاجواب ہے۔ راجہ نند نے دریائے سندھ کے درمیان پانی کو خشک کر کے اپنا خزانہ مستور کر رکھا تھا۔ کہتے ہیں کہ راز ایک سوٗر کے دانت کی بدولت واقع ہوا۔ اس دانت میں ایسی حکمت تھی جس کے اثر سے پانی سوکھ جایا کرتا تھا۔ راجہ اپنے خزانہ کو محفوظ رکھ کر بڑے اطمینان سے حکومت کیا کرتا تھا۔ اس پوشیدہ راز کا کسی جادوگر کو پتہ لگ گیا اور وہ اسی دانت کی تلاش میں راجہ نند کی راج گدی میں پہنچ گیا۔ ایک دن راجہ شکار کی غرض سے اپنی راج دھانی سے روانہ ہو گیا۔ جادوگر کو ایک سنہرا موقع ہاتھ آیا۔ اور وہ سائل بن کر شاہی محل کے دروازہ پر پہنچ گیا اور ایسی دردناک آواز سے صدا دی کہ محل نشینوں کے دل دہل گئے۔ راجکماری مومل سب سے زیادہ رقیق القلب واقع ہوئی تھی، یہ آواز سنتے ہی وہ بہ نفسِ نفیس محل کے صدر دروازے پر پہنچ گئی اور فقیر کا مدعا دریافت کرنے لگی۔ اے درویش! بتا مجھے کس چیز کی ضرورت ہے۔ تجھ پر ضرور کوئی

افتاد پڑی ہے۔ فقیر نے رد نی صورت بنا کر جواب دیا کہ اے شہزادی! خدا تجھے عمرِ خضر عطا فرمائے اور تجھے ہر قدم پر کامیابی حاصل ہو۔ مجھے ایک معمولی سی چیز کی ضرورت ہے۔ شہزادی نے پوچھا وہ کیا چیز ہے؟ اگر ہمارے پاس ہوگی تو ہم فوراً پیش کر دیں گے۔ اے شہزادی! خدا تمہیں سرسبز و آباد رکھے۔ ہم جیسے غریبوں کے لئے تو واقعی وہ بڑی چیز ہے جو آسانی سے دستیاب نہیں ہو سکتی۔ لیکن شاہی محلوں میں وہ معمولی اہمیت رکھتی ہے۔ فقیر بابا بتائیے ہم ابھی لا دیں گے۔ اگر وہ ہمارے پاس ہوگی۔

بیٹی! میں مدت سے ایک بڑے موذی مرض میں مبتلا ہوں۔ اس کا علاج سور کا دانت بتایا گیا ہے۔ مالک مہاراج کو بڑی عمر عطا فرمائے اور اس کا راج بھاگ قائم رکھے ان کے پاس ایسی چیزوں کی کمی نہیں۔

شہزادی کو فوراً اس دانت کی یاد آئی جو راجہ کے توشہ خانہ میں ایک ڈبیہ میں بند تھا۔ وہ فوراً لپک کر وہاں پہنچی اور دانت والی ڈبیہ کو ایک معمولی چیز سمجھتے ہوئے فقیر کے حوالے کر دیا۔ جادوگر بڑا خوش ہوا اور ہزاروں دعائیں دیتا ہوا دریائے سندھ کی طرف روانہ ہوا۔ پانی کو خشک کر کے وہ خزانہ کے پاس پہنچ گیا اور خزانہ کو لے کر کسی دور دراز شہر میں سکونت پذیر ہوا۔ کچھ

مدت گذرنے کے بعد ایک دن راجہ کو اپنے خزانہ کو دیکھنے کی آرزو پیدا ہوئی۔ وہ دانت کو تلاش کرنے لگا۔ غلاموں اور کنیزوں پر مصیبت آگئی۔ شاہی محل کی ہر چیز زیروزبر کردی گئی۔ ایک عجیب کہرام مچ گیا مگر دانت نہیں مل سکا۔ راجہ بڑا پریشان اور متفکر ہوگیا۔ دریافت کرنے پر آخر معلوم ہوا کہ شہزادی مومل نے کسی راہ گیر فقیر کے حوالے کردیا راجہ یہ سن کر آگ بگولا ہوگیا اور مومل کو مارنے کے لئے دوڑا۔ یہ دیکھ کر سومل بھاگتی ہوئی بہن کو بچانے کے لئے پہنچی اور راجہ سے وعدہ کیا کہ اس سے دگنا خزانہ ہم آپکو جلد ہی پیش کردیں گی۔ اگر ہم ایسا نہیں کرسکے تو ہر سزا کے مستحق ہوں گے۔ راجہ خاموش ہوگیا۔ مومل مغموم صورت بنائے سمجھنے کی کوشش کرنے لگی۔

بڑی بہن چھوٹی بہن سے مارے جوش کے لپٹ گئی۔ اب سومل اپنے وعدہ کو ایفا کرنے کے لئے سوچنے لگی۔ وہ بڑی زیرک اور ہوشیار تھی۔ اسے طلسم کے معاملہ میں کافی دسترس حاصل تھی۔ وہ اپنا شہر چھوڑنے پر مجبور ہوگئی۔ اپنا سازوسامان اپنی تمام کنیزوں اور غلاموں کے قافلے کے ساتھ دونوں بہنیں ماکھیلے سے روانہ ہوگئیں اور جیسلمیر کے نزدیک ایک چھوٹے سے قصبہ لڈانہ میں آباد ہوگئیں۔ سومل نے اپنی جادوگری کے

تمام کرتب دکھائے اور ایک طلسمی محل تیار ہو گیا۔ اور ملک کے ہر گوشہ میں منادی کرادی کہ اگر کوئی انسان ہمارے محل کی تمام مصیبتوں سے بچکر موہنی کے کمرے تک صحیح وسلامت پہنچ جائے تو موہنی بطور انعام اس کے حوالے کردی جائے گی۔ لدّاخ میں ایک بڑا مندر تھا اور ہر ملک کے زائرین ہر سال وہاں آیا کرتے تھے موہنی کی خوبصورتی کی تعریف ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل چکی تھی۔ محل کی کھڑکی سے موہنی کی ایک نظر ہزاروں کو گھائل کردیتی تھی۔ درویش پھر اشعار پڑھنے لگا۔

•جنہیں کاک سے• رنگ دیا ہے ان کی سرخی کبھی نہیں اترتی۔ وہ عاشق تیز شراب پی کر نشے میں مدہوش سے ہو گئے ہیں۔ وہ اسی طرح کمال کی حالت کو پہنچ چکے ہیں۔ لیکن وہ دیدار کے طالب لدّاخ سے نکال دیئے گئے ہیں۔ وصلِ محبوب کے طلبگار لدّاخ سے نکل کر دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور آنکھوں سے خون کے آنسو بہا رہے ہیں۔ وہ اپنے حال سے بےخبر ہو گئے ہیں۔ محبوبہ سے دور رہنے کی وجہ سے وہ لاشوں کی طرح ہیں۔ محبوب کے جمال نے ان کے رنگ کو سرخ کردیا ہے۔"

فقیر نے ایک آہ بھر کر پھر گفتگو شروع کی۔ شہزادی موہنی کے حسن وجمال، جوبن اور جوانی کا تذکرہ سن کر کتنے ہی بادشاہ، راجکمار اور شہزادے اسے حاصل کرنے کے لئے لدّاخ کی طرف

روانہ ہوئے۔ جن میں سے ایک بھی اپنی قیام گاہ پر صحیح وسلامت واپس نہ پہنچا۔ میری روداد بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ میں تمام زندگی مومل کے نام کی مالا جپتا رہوں گا۔ تم لوگ بھی جاؤ اور نصیب آزمائی کرلو۔" چند اشعار پڑھتے ہوئے درویش تیزی سے ان چاروں دوستوں کو حیرت کے عالم میں چھوڑ کر روانہ ہوگیا۔

چلئے چلئے کاک کی طرف چلئے جہاں جذبۂ عشق پیدا ہوتا ہے، وہاں دن رات کی کوئی تمیز نہیں ہے، ہر ایک محبوب کو دیکھ سکتا ہے۔

درویش کی پُر درد داستان سن کر یہ چاروں دوست مومل کے عاشق ہوگئے۔ اور ارادہ کرلیا کہ مومل کو دیکھے بغیر اپنے وطن واپس نہیں جائیں گے اور اس طرح عمرکوٹ جانے کی بجائے وہ لڈانہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ تین چار روز کی مسافت کے بعد وہ منزلِ مقصود پر پہنچے اور شہزادی مومل کے محل کے باہر قیام کیا۔ شاہی محل کی کنیزوں کی معرفت مومل کو اطلاع ہوگئی کہ سومرہ خاندان کا حاکم معہ اپنے تین وزیروں کے اس شمعِ محفل کے پروانوں میں شامل ہوگیا ہے۔

دوسری صبح کو شہزادی نے ناتر نامی اپنی خاص کنیز کو مہمانوں کے استقبال کے لئے روانہ کیا۔ ناتر سولہ سنگھار کرکے امیروں کی خیر وعافیت پوچھنے ان کی قیام گاہ پر پہنچی۔ آداب بجالانے کے بعد مومل کی طرف سے سلام و پیام پیش کرکے ان کی خیروعافیت دریافت کرنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد چار کنیزیں چار طشتریاں لے آئیں۔ ہر ایک طشتری میں اُلجھا ہوا سوت اور اُبلے ہوئے چنے

پڑے تھے۔ رانا کے سوا تینوں دوست چنوں کو موّمل کی عنایت سمجھ کر بڑے تشکر سے کھانے میں مصروف ہو گئے۔ رانا کسی سوچ میں چنوں کی طشتری کو دیکھ رہا تھا ناتر تعجب سے رانا کو گھور رہی تھی۔ چنے کھانے کے بعد وہ تینوں دوست سوت کے سلجھانے میں لگ گئے۔ اب رانا سے رہا نہیں گیا۔ اس نے چنوں کی طشتری گھوڑے کے سامنے رکھ دی اور سوت کو تلوار سے کاٹ کر گھوڑے کی گردن میں ہار بنا کر ڈال دیا۔ اور ناتر کو ایک ترچھی نگاہ سے دیکھ کر بڑے رعب سے کہنے لگا کہ" جاکر اپنی شہزادی سے ساری روئداد بیان کر۔" ناتر تو پہلے ہی متعجب سی ہو گئی تھی، اب تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ اور وہ بھاگتی ہوئی اپنی مالک کے پاس پہنچی اور اسے تمام حالات سے آگاہ کیا۔ اور رانا کی سفارش کرنے لگی کہ ایسا خوبصورت اور بلند حوصلہ جوان پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا۔ اور ایسے جوان ہمت کو بے موت مارنا مناسب نہیں۔ موّمل کے دل میں بھی ایک عجیب ہمدردی سی پیدا ہوئی۔ اور کہنے لگی کہ اگر وہ واقعی باہمت اور بلند حوصلہ ہے تو میرے پاس ضرور پہنچ جائے گا۔ اور اگر بے وقوف و ناکارہ نکلا تو میرا کوئی قصور نہیں۔

شہزادی موّمل نے پھر ایک حلوہ کا طشت ان کی ضیافت کے لئے ناتر کے ہاتھ بھجوایا۔ حلوہ کو دیکھ کر رانا کو بڑا غصہ آیا۔ اور کہنے لگا۔ "کیا تم لوگوں نے ہمیں عورت سمجھ رکھا ہے کہ زنانہ طعام ہمارے لئے بھجوا دیا گیا ہے" ناتر فوراً واپس لوٹ گئی اور لذیذ طعام لے کر ان کے پاس پہنچی اور مہمانوں سے التجا کی کہ طعام تناول فرمائیے۔ جسے آپ لوگوں کی ضیافت کے لئے خاص اہتمام سے تیار کرایا گیا ہے۔ حمیر سومرہ اور ایک وزیر ابھی ایک لقمہ منہ میں

ڈال ہی رہے تھے کہ رانا نے انہیں روکا، وہ لوگ رک گئے۔ اور رانا نے فوراً ایک لقمہ کتے کے سامنے ڈال دیا۔ ایک ہی لقمے نے کتے کا کام تمام کر دیا۔ کھانے میں زہر ملا ہوا تھا۔ حمیر سومرہ بہت غصہ ہوا اور کہنے لگا کہ یہاں سے فوراً چلدینا چاہیئے ورنہ اس دشمنِ جان سے آزادی حاصل کرنا بہت مشکل ہوگا۔ رانا نے جواب دیا اے قبلۂ عالم! اب واپس چلنا باعثِ رسوائی ہے بہتر یہ ہے کہ اس مہم کو کسی نہ کسی طرح سر کر لیں۔

ناتر غائب ہوگئی اور سارا معاملہ مومل کے سامنے پیش کیا۔ عرض کرنے لگی کہ اب بھی وقت ہے۔ بہتر ہے کہ آپ رانا کے حق میں فیصلہ کرلیں۔ شہزادی کو بڑا تاؤ آیا۔ کہنے لگی "زبان بند کر۔ میرے حاصل کرنے کی جتنی شرائط ہیں وہ سب رانا کو پوری کرنی ہونگی۔ ورنہ وہ مجھے کبھی نہیں پا سکے گا۔" اور ہاں ان سے جا کر کہہ دو کہ "اگر کسی میں ہمت ہے تو میرے سامنے آجائے۔"

ناتر نے شہزادی کا پیغام پہنچایا۔ حمیر سومرہ چونکہ حاکم تھے اس لئے وہ پہلے کمربستہ ہوگئے اور دیگر حضرات خاموش رہے۔ وہ ناتر کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ محل کے صدر دروازہ سے باغیچہ میں داخل ہوئے۔ ابھی وہ آگے بڑھے ہی تھے کہ ناتر غائب ہوگئی۔ یہ دیکھ کر وہ عجیب پریشانی میں مبتلا ہوگئے۔ اچانک طلسمی چیزوں کی آوازیں آنا شروع ہوگئیں۔ کہیں شیر دھاڑتے تھے اور کہیں ہاتھی چنگھاڑتے تھے۔ حمیر سومرہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ اور آگے بڑھنے کی ہمت نہ رہی، واپس لوٹنے کی فکر میں تھے، اتنے میں انہیں باہر جانے کا راستہ مل گیا اور وہ بدحواسی سے بھاگتے ہوئے اپنے دوستوں کے حلقے

میں پہنچ گئے اور کہنے لگے کہ یارو! یہاں اپنا گذر نہیں ہو سکتا۔ اس خیالِ خام کو ترک کر کے واپس چلنا چاہیئے ورنہ یہاں خیریت نہیں ہے۔"

رانا نے عرض کیا "حضورِ والا! آپ تو اپنے نصیب آزما چکے۔ ہمیں بھی تو موقع دیجیئے ورنہ ہم لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ندامت سے سر نہ اٹھا سکیں گے۔"

دوسری رات ناتر پھر پہنچ گئی اور طعنہ زنی کرتے ہوئے حمیر سومرہ سے کہنے لگی کہ قبلہ! آپ چند لمحے بھی باغ میں نہیں ٹھہر سکے اور فوراً ہی واپس آ گئے شہزادیاں ایسی تن آسانی سے تو کبھی حاصل نہیں ہوا کرتیں۔ حمیرؔ کے دوسرے ساتھیوں سے کہنے لگی "ہے کوئی جوان جو مومل کے دیدار کا خواہشمند ہو۔"

بھٹیؔ وزیر مونچھوں پر تاؤ دیکر کھڑا ہو گیا اور ناترؔ کی قیادت میں محل کی طرف بڑھا۔ طلسمی جانوروں کی ہیبت ناک آوازیں سنکر وہ کانپنے لگا۔ اور موقع پاتے ہی بھاگ کھڑا ہوا۔

تیسری رات حسبِ دستور ناترؔ پھر آ گئی اور مسکرا کر حمیرؔ سومرہ سے کہنے لگی کہ جناب عالی! آپ کے وزیر تو آپ سے بڑھ گئے، آنکھ جھپکتے ہی غائب ہو گئے اب کون ہے جو اس شمعِ محفل کا پروانہ بننے کی ہمت کرتا ہو۔

دوسرے وزیر ڈھما چانی تیار ہو گئے لیکن وہ صدر دروازے سے ہی واپس آ گئے۔

رانا نے ان تینوں کی بزدلی کو دیکھتے ہوئے عہد کیا کہ جب تک مقصدِ مراد نہ پاؤں گا واپس نہیں لوٹوں گا۔

ناتر حسبِ معمول چوتھی رات کو پہنچ گئی اور کہنے لگی۔ بہتر تو یہی تھا کہ

مردوں کے کپڑے اتار کر عورتوں کا لباس زیب تن کر لیتے۔ یہ سنکر رانا کو بڑا تاؤ آیا۔ اور کہنے لگا کہ "بکواس بند کر، چل میں تیرے ساتھ چل رہا ہوں۔"

رآنا اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ناتر کی رہبری میں روانہ ہوا۔ ناتر غائب ہونے کے لئے موقع کی تلاش میں تھی۔ لیکن رآنا شور و غوغا اور جانوروں کی خوفناک آوازوں کے باوجود ناتر سے ایک لمحہ کے لئے نظر نہ ہٹاتا تھا۔ مگر ناتر بھی بڑی مکار تھی، موقع پاتے ہی اس نے بڑی ہوشیاری سے گھوڑے کو گرادیا، اور خود غائب ہوگئی۔ رانا اپنے حواس درست رکھتے ہوئے اُٹھ کر کھڑا ہوگیا اور آگے بڑھنے لگا۔

وہ راستہ طے کرتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ طلسمی شور و غوغا نے اس کے دل پر کوئی اثر نہیں کیا۔ راستہ میں صحن کے وسط میں ایک چشمہ نظر آیا جو ٹھاٹھیں مار رہا تھا وہ اسے دیکھ کر کچھ گھبرا سا گیا۔ لیکن فوراً ہی سمجھ گیا کہ یہ بھی کوئی طلسمی چال ہے۔ چشمہ میں ایک پیر ڈال کر دیکھا تو پانی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ وہ بڑی دلیری سے آگے بڑھ گیا۔ راجکماری یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

القصہ وہ محل کے دروازہ تک پہنچ گیا، وہاں کنیزوں نے اس کا استقبال کیا۔ وہ بڑی شان سے کنیزوں کے ہمراہ دیوان خانہ میں پہنچ گیا۔ دیوان خانے میں سات پلنگ بچھے ہوئے تھے۔ ایک کنیز نے بڑھ کر عرض کیا حضورِ والا پلنگ پر بیٹھ کر کچھ آرام کیجئے، ہم راجکماری کو اطلاع دیئے دیتے ہیں۔"

سات پلنگ ایک جیسے دیکھ کر رآنا مشکوک سا ہوا اور سمجھ گیا کہ یہاں

بھی کچھ چال ہو گی۔ چند لمحوں کے بعد اپنی کمان سے پلنگوں کا معائنہ کرنے لگا
کمان کے زور سے یکے بعد دیگرے چھ پلنگ نیچے گر گئے، ساتواں پلنگ بالکل
درست تھا۔ پلنگوں کے نیچے جو نظر گئی تو کنوئیں نظر آئے جن میں اگر کوئی انسان
گر جائے تو کسی صورت نہ بچ سکے۔ رآنا صحیح پلنگ پر بڑے اطمینان سے بیٹھ
گیا۔ مومل، رانا کی ہر حرکت کو بغور دیکھ رہی تھی۔ اس نے اپنی کنیز سے پیغام
بھجوایا کہ "ذرا دیر کے لئے بالاخانہ پر تشریف لے آئیے۔"

رآنا کنیز کی راہنمائی میں بالاخانہ پر پہنچ گیا اور دیکھا کہ کتنی ہی خوبصورت
اور نوجوان شہزادیاں صف باندھے کھڑی ہیں۔ سب جھک کر آداب بجالائیں
کنیز نے کہا۔ عالیجاہ! اب شہزادی مومل کا ہاتھ پکڑیئے، وہ زندگی آپ کی
ہی رہیں گی۔ رآنا شش و پنج میں پڑ گیا۔ ایک سے ایک شہزادی خوبصورت
تھی اور وہ صحیح اندازہ لگانے سے قاصر تھا۔ وہ متفکر سا ان کا جائزہ لیتا رہا۔

اچانک ایک بھونرا شہزادی مومل کے بالوں کی خوشبو پر اس کے اردگرد
چکر" کاٹنے لگا اور رآنا نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور مومل نے
حجاب کو بالائے طاق رکھ کر کہہ دیا۔

"اے محبوب! آخر تو نے ہمیں گرفتار کر لیا۔"

محل میں خوشیاں ہو گئیں۔ نقارے اور شہنائیاں بجنے لگیں اور شہزادی
مومل کا نکاح رآنا سے ہو گیا۔ شہر بھر میں مٹھائیاں بٹنے لگیں اور مومل کے
طلسمی جال کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔

رآنا دوسرے دن صبح کو اپنے دوستوں سے ملنے گئے۔ وہ انہیں مبارکباد

دینے لگے۔ اور دوسرے دن اپنے وطن روانہ ہونے کا پروگرام بنالیا۔ راؔنا کچھ دیر کے بعد پھر دیارِ حبیب میں پہنچ گیا اور سارا دن خوشیوں میں گذارا۔ وہ دن ان کے لئے عید کا دن تھا اور رات شب برات تھی۔

علی الصباح راؔنا کو پیغام پہنچا کہ ان کے دوست رخصت ہونے کے لئے تیار ہیں اور تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ اور راؔنا ان کو رخصت کرنے گیا۔ حمیؔر سومرہ نے بڑا اصرار کیا کہ راؔنا بھی ان کے ساتھ ایک بار وطن چلیں۔ اور وہاں کے یار دوستوں اور عزیز و اقارب سے مل کر واپس چلے آئیں۔ راؔنا انکار کرتا رہا۔ لیکن ان تینوں نے حسد کے مارے فیصلہ ہی کر لیا تھا اس لئے دھوکہ دے کر راؔنا کو واپس لے گئے اور حمیؔر سومرہ نے اُسے قید کر دیا۔ راؔنا کی بہن حمیؔر کی ملکہ تھی اس سے اپنے بھائی کی یہ حالت نہ دیکھی گئی اور منت سماجت کر کے حمیؔر سے راؔنا کی آزادی کا پروانہ حاصل کر لیا۔ لیکن شرط یہ تھی کہ راؔنا پھر کبھی لڈانہ کی طرف نہیں جا سکتا۔ موؔمل انتظار کی گھڑیاں گذارنے لگی، اور راتیں آنکھوں میں کاٹنے لگی۔ شاہ لطیفؒ نے یہ منظر اس طرح پیش کیا ہے۔

"ساری رات شمع جلاتی رہی ہوں اور اب پَو پھٹنے والی ہے۔ اے راؔنا میں مر رہی ہوں، خدا کے لئے آجا۔ تیری طلب میں کتنے ہی کاگ کے کوّے اڑا رہی ہوں۔"

شہزادی نے اپنا برا حال بنا رکھا تھا۔ محل کے ہر در و دیوار سے حسرت و یاس ٹپک رہی تھی۔ وہ اپنے محبوب سے واپس لوٹنے کی

التجائیں کرنے لگی۔

محل میں ایک قسم کی خاموشی چھا گئی۔ شہزادیاں اور کنیزیں عجیب صورت بنائے بیٹھی رہیں۔

رانا بھی ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ محبوب کے وصال کے لئے اس کا دل بیقرار تھا اور موقعہ کی تلاش میں تھا۔ ایک دن حمیر سومرہ عمر کوٹ سے کہیں باہر گیا تھا۔ یہ موقع مناسب سمجھ کر رانا اپنے تیز رفتار اونٹ پر سوار ہو گیا اور بڑی تیزی کے ساتھ دو دن میں سفر طے کر کے آدھی رات کو شہزادی مومل کے محل میں پہونچ گیا۔ رانا کے فراق نے مومل کو بے حال کر رکھا تھا اور اس کے لئے جدائی کے لمحات جان لیوا ہو گئے تھے۔ وہ محبوب کے بغیر ایک لمحہ بھی گذار نہیں سکتی تھی۔ اور دل کو تسکین دینے کے لئے اپنی بہن سومل کو رانا کا لباس پہنا کر اپنے ساتھ سلا لیتی تھی۔ رانا بڑے اشتیاق سے مومل کے کمرے میں پہنچا۔ کسی غیر شخص کو مومل کے ساتھ سویا ہوا پا کر غصہ میں آگیا چاہتا تھا کہ دونوں کو ختم کر دے لیکن مومل کی موہنی صورت دیکھ کر اس کا ہاتھ آگے نہیں بڑھ سکا۔ اور وہ غیرت کے مارے زیادہ وقت وہاں نہیں ٹھہر سکا۔ اپنی چھڑی وہاں چھوڑ کر فوراً باہر نکل گیا اور اپنے صبا رفتار اونٹ پر سوار ہو کر واپس عمر کوٹ پہنچ گیا۔

مومل صبح کو رانا کی چھڑی دیکھ کر بڑی پریشان ہوئی۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ محل میں از سرِ نو ماتم کی صف بچھ گئی۔ محل کے سب

افراد پریشان اور متفکر ہو گئے۔ جہاں دن رات خوشیاں اور مسرتیں لہرا رہی تھیں وہاں درد و غم کے طوفان اُٹھ گئے۔ مومل نے رانا کی طرف کتنے ہی نامہ و پیام بھیجے، بڑی التجائیں اور سماجتیں کیں لیکن کوئی حیلہ کارگر ثابت نہیں ہوا۔

رانا کی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی۔ وہ بھی دن رات مومل کی یاد میں پریشان اور رنجیدہ خاطر رہتا تھا۔ جب کوئی چارہ نظر نہ آیا تو مومل نے سوداگری کا سامان درست کیا اور تجارت کا ایک قافلہ تیار کر کے خود تاجر کا لباس بدل کر عمر کوٹ روانہ ہو گئی۔ اس کا کاروبار بڑی تیزی سے چلنے لگا تھوڑے دنوں کے بعد مومل نے رانا کے محل کے سامنے ایک بڑا محل بنوایا جس میں وہ بڑی شان و شوکت سے رہنے لگی۔

کچھ دنوں کے بعد مومل کی رانا سے دوستی ہو گئی اور وہ آپس میں روزانہ ملنے لگے۔ آہستہ آہستہ دوستی اس قدر بڑھ گئی کہ وہ ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔

ایک دن چوپڑ کھیلتے ہوئے مومل کی قمیص کی آستین ذرا سرک گئی اور مومل کے ہاتھ کے نشان عیاں ہو گئے۔ رانا فوراً پہچان گیا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ مومل بڑی عاجزی اور لجاجت کے ساتھ اس کے قدموں میں گر گئی منتیں اور سماجتیں کرنے لگی، لیکن رانا کے دل پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اور وہ مومل کو ٹھکرا کر نکل گیا۔

مومل نے لکڑیوں کا ایک انبار اپنے محل کے ایک کنارے لگوا دیا

اور اس میں آگ لگوا کر کود پڑی ۔ یہ خبر چند لمحوں میں رآنا تک بھی پہنچ گئی ۔ وہ گھبرا کر آگ کی طرف بھاگا ۔ لیکن تومل ختم ہو چکی تھی ۔

رآنا نے بھی اپنے محبوب کا راستہ اختیار کیا ۔ اور دونوں اس آگ میں ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کے ہو گئے ۔

*

\~\~\~\~\~\~..x..* * *..x..\~\~\~\~\~\~

*

۳۵

لیلا چنیسر

چنیسر کے فراق میں روتی رہی۔ آس لگائے بیٹھی تھی کہ راجہ چنیسر اس کی خطائیں درگذر کر کے اُسے اپنے ساتھ لے جائے۔ انتظار میں وقت کاٹ رہی تھی۔ دن بیقراری میں اور راتیں بے آرامی سے بسر ہوتی تھیں وہ چنیسر کو یاد کر کے کہہ رہی تھی۔

"جن کو تمہارا دکھ نصیب ہوا ہے اے چنیسر! تم ان سے کیسے
دل برداشتہ ہو سکتے ہو۔"

"تمہارے عشق کا داغ مجبوروں کو ہمیشہ کے لئے مار دیتا ہے
میرے محبوب خدا کے لئے کبھی مجھ سے دور نہیں رہنا۔ اگر ایک
دفعہ تم میرے سامنے آجاؤ تو میں اس ہیرے کو آگ میں
ڈال دوں۔"

چنیسر سومرہ خاندان کا حکمران دیبل کوٹ میں حکومت کیا کرتا تھا۔ حسن و جمال میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ شان و شوکت اور جاہ و جلال میں لاثانی

تھا۔ اس کی شہرت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ ہر امیر و وزیر اسے اپنا داماد بنانے کی تمنّا رکھتا تھا۔ اور ہر حسین و جمیل شہزادی اس کی خواہشمند تھی۔

اسی زمانہ میں لکھپت کے حاکم رانا کھنگا کی صاحبزادی اپنے حسن و جمال میں بے نظیر تھی۔ تمام ملک اس کے حُسن کا مداح تھا۔ وہ بڑی نیکدل، فیاض اور نیک خصلت راجکماری تھی۔ ہر شہزادہ اور راجکمار اس کا خواستگار تھا۔ لیکن اس کا رشتہ اس کے چچیرے بھائی اُتمادی سے طے ہو گیا تھا۔ راجکماری کا نام کونٹرو تھا۔

ایک دن کونٹرو نے بڑے ناز و نخرے سے ہار سنگھار کیا اور آئینہ میں اپنی صورت دیکھ کر کچھ گنگنا رہی تھی اتنے میں اس کی ایک سہیلی اس کے کمرہ میں داخل ہوئی۔

سہیلی:۔ اوہو! بڑے ہار سنگھار ہو رہے ہیں اور کسی کو یاد کیا جا رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے جیسے راجہ جنیسر سے پیار ہو گیا ہے۔

کونٹرو:۔ کیوں ری! کیا بک رہی ہے۔ جیسے راجہ جنیسر ہی ہمارے پیار کے لائق ہیں۔

سہیلی:۔ راجکماری! بن رہی ہو۔ جب سے جنیسر کا نام سنا ہے عجیب و غریب حرکتیں کر رہی ہو۔

کونٹرو:۔ ہٹ موئی! دیکھ لیں گے تیرے جنیسر کو بھی۔

راجکماری کے دل میں ایک عجیب کشمکش پیدا ہو گئی۔ وہ دن بدن خود فراموشی کے عالم میں رہنے لگی۔ یہ چیز ایسی نہیں تھی کہ چھپ سکے۔ ماں

کو پیتہ لگ گیا۔ اس نے بہترا سمجھانے کی کوشش کی لیکن لڑکی باز آنے کا نام تک نہ لیتی تھی۔ مجبوراً اس نے اپنے خاوند سے ذکر کیا وہ بھی الجھن میں پڑ گیا کہنے لگا کہ اگر یہ رشتہ ہو تو بڑے فخر کی بات ہے۔ لیکن یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ یہ خدشہ بھی تھا کہ کہیں جنیسر اس رشتہ کو ٹھکرا نہ دے۔ اگر ایسا ہوا تو باعثِ بدنامی و رسوائی ہوگا۔

کچھ دن خاموشی سے اس بات پر سوچ بچار ہوتا رہا۔ لڑکی کی حالت دن بدن خراب ہوتی جا رہی تھی۔ ماں باپ سے دیکھا نہیں جاتا تھا لیکن وہ کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے۔ آخر سوچکر رانی اور راجکماری بھیس بدل کر دیبل کوٹ کی طرف روانہ ہوگئیں۔ وہ سوداگری کا سامان اپنے ساتھ لے کر چلیں۔

انہیں دنوں جنیسر کی شادی ایک شہزادی لیلا سے ہوگئی۔ دیبل کوٹ میں خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ امیر و غریب بڑے خوش تھے۔ ہر گھر میں شادیانے بج رہے تھے۔

لیلا بڑی خوبصورت اور نیک طینت لڑکی تھی۔ البتہ موتیوں اور ہیروں سے زیادہ لگاؤ تھا۔ اس لئے ہر قیمتی پتھر اس کے پاس موجود تھا۔ اور جنیسر بھی اس کے پسند کی ہر چیز مہیا کرنے میں اپنی پوری کوشش صرف کرتا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے والہانہ محبت رکھتے تھے۔ ایک شمع تھی تو دوسرا پروانہ۔ اگر ایک پھول تھا تو دوسرا بلبل۔ دن رات عیش و عشرت اور آرام و راحت میں گذرتے تھے۔

دور دراز کا سفر طے کرتا ہوا لکھپت کا یہ قافلہ کچھ دنوں میں دیل کوٹ پہنچ گیا۔ ماں بیٹی کی ایک مالن سے دوستی ہو گئی۔ ایک دن رانی اس سے حصولِ مدعا کے لئے مشورہ لینے لگی۔ مالن نے جکھڑے وزیر کا نام تجویز کیا جس کی بدولت مقصد و مدعا پورا ہو سکتا تھا۔

کچھ دنوں بعد یہ تینوں جکھڑے وزیر کے مکان پر پہنچے۔ دل کی بات اسے بتائی گئی اور بڑے عجز و نیاز سے التجا کی گئی کہ وہ ان کی امداد کرے جکھڑے نے وعدہ کر لیا۔ جکھڑا راجہ جنیسر کے پاس حسبِ معمول پہنچ گیا اور موقعہ پاکر کونڑو کے عشق کی داستان سنانے لگا۔ اس کے بعد حسن کا ایسا نقشہ پیش کیا کہ جنیسر کا دل بھی کونڑو سے ملنے کے لئے بیتاب ہو گیا۔ لیکن لیلا کا خیال آتے ہی اس نے جکھڑے سے کہا کہ لیلا کے ہوتے ہوئے کسی اور عورت سے رشتہ کرنا مناسب نہیں بہتر ہوگا کہ تم کونڑو کو سمجھا بجھا کر وطن واپس کر دو۔

جکھڑے نے پھر سفارش شروع کر دی۔ اور پُر درد لہجہ میں عرض کیا کہ کونڑو پر رحم کریں۔ اس کا نازک دل ٹوٹ جائے گا۔ لیکن جنیسر پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ جکھڑے نے راجکماری اور رانی کو راجہ کے خیالات سے آگاہ کیا۔ ان دونوں کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ آخر دونوں ہمت کر کے غریبوں کا بھیس بدل کر محل میں پہنچ گئیں اور ملکہ لیلا کے حضور میں حاضر ہو گئیں۔ اور عرض کرنے لگیں کہ ملکہ حضور! ہم پردیسی لوگ ہیں۔ زمانے کی گردش نے ہمیں اس جگہ پہنچایا ہے۔ ہمارا کوئی بھی یار و مددگار نہیں۔

آپ کی ذات پر امید رکھ کر آپ کے پاس پہنچے ہیں کہ آپ ہمارے حال پر ترس کھا کر اپنے پاس نوکری دے دیں گی۔ اماں بُننے کے کام میں ہوشیار ہیں اور میں خانہ داری کے کام کاج میں قابل ہوں۔

لیلا کو ان کے حال پر رحم آیا۔ اور دونوں کو اپنے ہاں ملازم رکھ لیا چنیسر سے ملنے کی کوئی اُمید نظر نہیں آتی تھی۔ ایک رات اپنی حالتِ زار پر سوچتے ہوئے کونتڑو کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ اچانک لیلا نے کونتڑو کو روتے ہوئے دیکھ لیا اور وجہ معلوم کرنے کے لئے بیتاب ہو گئی۔ کونتڑو نے ٹال مٹول کرتے ہوئے کہا کہ "بیگم کچھ نہیں! ماضی کو یاد کر کے رو رہی ہوں۔"

"مجھے بڑی خوشی ہو گی اگر میں تمہاری مدد کر سکوں۔ مجھ سے اپنے دکھڑے مت چھپاؤ۔ تم مجھے اپنی بڑی ہمدرد پاؤ گی۔" لیلا نے کہا۔

"بی بی! کیا عرض کروں۔ میں بھی کسی زمانہ میں حکومت کیا کرتی تھی۔ میری خدمت کے لئے بھی کنیزیں اور باندیاں موجود ہوتی تھیں۔ میرے پہننے کے لئے بھی کئی قسم کے موتی، ہیرے اور جواہر حاضر ہوا کرتے تھے اور میں سونے اور چاندی سے کھیلا کرتی تھی۔ وہ بیتے ہوئے دن یاد کر کے آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔" کونتڑو نے جواب دیا۔

اس حقیقت کو لیلا محض ایک افسانہ سمجھ رہی تھی۔ اعتبار بھی کیونکر

آئے۔ کہنے لگی۔

"مجھے تو یقین نہیں آتا۔ بغیر کسی ثبوت کے یقین بھی کیسے آئے"

کونٹر دسوچ میں پڑگئی۔ وہ یہ بھی اچھی طرح جانتی تھی کہ لیسلا موتیوں کی بڑی مشتاق ہے۔ فوراً ایک کراپنی ماں سے ایک موتیوں کا بڑا قیمتی ہار لے کر لیسلا کے پاس پہنچی۔ موتی لیلا کی بڑی کمزوری تھی۔ ہار دیکھتے ہی لیلا کی آنکھیں چکا چوند ہوگئیں اور اس کا دل للچا گیا کہنے لگی۔

"مانگ جو کچھ مانگنا ہو، ہار مجھے چاہیئے۔"

کونٹروے نے جواب دیا۔

"بی بی! میرے پاس بھی مال و اسباب کی کوئی کمی نہیں ہے مجھے فقط چینیسر کی ملاقات چاہیئے۔ اگر چینیسر سے ملاقات کرادو تو ایسے کئی ہار نچھاور کر دوں۔"

ہار کے لالچ نے لیسلا کے حواس خطا کر دیئے تھے وہ تو اس ہار پر جیسے فریفتہ سی ہوگئی تھی اس لئے چینیسر کی ملاقات کی شرط فوراً قبول کر لی اور کہا۔

"تم اطمینان رکھو۔ میں اس کا انتظام کئے دیتی ہوں۔ اور رات کو تمہاری ملاقات چینیسر سے ہو جائے گی۔"

رات کو چینیسر دیر تک اپنے امیروں اور دوستوں کے ساتھ شراب و سرود کی محفل میں مصروف رہا۔ اور آدھی رات کے بعد

نشہ میں سرشار جھومتا ہوا حرم سرا میں داخل ہوا۔ لیلا نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھانا چاہا اور راجہ سے کہنے لگی کہ۔

" دیکھو بیچاری کونٹر د تمہارے عشق میں فقیرانہ صورت بنائے کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے۔ میری التجا ہے کہ آج کی رات اسے اپنی ملاقات سے فیضیاب کرو۔"

لیلا کی یہ خواہش دیکھ کر پہلے تو راجا کو غصہ آیا اور اس کے بعد غیرت سے کہنے لگا۔ عجیب بات کر رہی ہو۔ لیلا! مجھے تمہاری اس خواہش پر بڑا تعجب ہے۔ مجھے تم سے یہ توقع نہیں تھی۔"

لیکن لیلا نے تو سودا کر لیا تھا اور قیمت پہلے ہی حاصل کر لی تھی۔ پھر اس نے بڑی لجاجت سے منت سماجت شروع کر دی اور جنیسر کو غنودگی کے عالم میں کونٹر د کے کمرے کی طرف لے گئی۔ لیلا جنیسر کو کونٹر د کے حوالے کر کے خود چلی گئی اور کونٹر د، راجہ کو بڑے پیار سے اپنے کمرے میں لے گئی ماں نے پہلے ہی انتظام کر رکھا تھا، نکاح پڑھنے کے لئے مولوی تیار تھا۔ نکاح ہو گیا اور جنیسر نشہ کی حالت میں پلنگ پر پڑا رہا۔ کونٹر و نے اسے ہوشیار کرنے کی انتہائی کوشش کی لیکن وہ مدہوش ہی رہا۔

پو پھٹنے کے وقت جنیسر بیدار ہوا اور خود کو کسی غیر عورت کی بغل میں دیکھ کر بڑا بھنّایا۔ وہ غصہ میں آکر اٹھنے لگا تو کونٹر د کی ماں آگئی اور کہنے لگی۔ حضور! یہ کیا ہے؟ آپ تو اپنی منکوحہ کے پاس ہیں۔ ملکہ لیلا نے تو آپ کو ایک ہار کے عوض بیچ دیا ہے۔ اور آپ کی قیمت ادا کر دی گئی

ہے۔"

اس کے بعد جنیبر کو حقیقت سے آگاہ کر دیا گیا۔ جنیبر یہ خبر سنتے ہی لیلا سے بددل ہو گیا اور کونٹرد کے عشق کی داستان سن کر اس پر فریفتہ ہو گیا۔ یوں بھی کونٹرد بڑی خوبصورت تھی۔ اور حسب ونسب کے اعتبار سے بھی لیلیٰ سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔

لیلاؔ کے بجائے کونٹرد کو ملکہ بنایا گیا اور لیلا کا کوئی بھی پرسانِ حال نہیں رہا۔ وہ انتہائی کوشش کے باوجود بھی جنیبر کو حاصل نہ کر سکی۔ ان دونوں کی جدائی گویا عمر بھر کی جدائی بن گئی۔

ایسی حالت میں لیلا زیادہ وقت محل میں نہیں ٹھہر سکی اور جدائی کا داغ دل میں لئے ہوئے اپنے وطن پہنچ گئی۔ اس کے دل سے آواز نکل رہی تھی

"راجہ بڑے غیور اور بڑے سردار تھے۔ جب جنیبر کی دھوم تمام ملکوں میں مشہور تھی وہ سردار آنکھوں کو راحت بخشنے والا تھا جسے ہیروں سے بدل دیا گیا۔"

"ہیروں کی تجلیوں نے دل کو بدل دیا۔ میں ہار حاصل کر کے شکست کھا گئی۔ اور کونٹرد کا کام میرے کام سے زیادہ کامیاب نکلا۔"

"ہیرے پر عاشق ہو کر اے ناکام! تو نے ہار خرید لیا۔ اسی لالچ نے کتنوں ہی کو خراب و خوار کر دیا۔ اپنا شوہر بگڑ گیا اور مجھے فراق کے دن نصیب ہوئے۔"

اسی طرح وہ اپنے آپ کو لعن طعن کر رہی تھی اور جینیسر کو یاد کر کے دن رات روتی رہی۔ وہ جینیسر کے پاس پیغام بھیجتی رہی۔ ہزار التجائیں تھیں، لاکھوں خواہشیں تھیں۔ لیکن جینیسر درد پی گیا تھا اور وہ کسی بھی التجا کو خاطر میں نہ لاتا تھا، اسے بڑی غیرت آئی تھی۔

"اے میرے محبوب! کوئی ایسی بات تو کر جس سے میری اُمید بندھ جائے۔ تم میرے مطلوب ہو اور میں تمہاری طالب ہوں۔ میرے عیبوں کو بخش دو کہ دنیا میں میری لاج برقرار رہے"

"میں کمینی ہوں، تم میرے شوہر ہو۔ اے میرے محبوب! مجھے مت چھوڑو، تمہاری آس نے میری دنیا بدل ڈالی ہے میرے شوہر تو تم ہی ہو، تمہاری کتنی ہی عورتیں ہیں۔"

ان التجاؤں کا جب کوئی اثر نہیں ہوا تو لیلا شکایت کرنے لگی۔

"جینیسر سے کوئی عورت ناز نخرے نہیں کرے جیسا کہ میں نے سمجھ لیا ہے کہ وہ کبھی بھی منزل پر نہیں پہونچ سکتی۔ وہ تو غصہ ہو کر سہاگنوں کو مفارقت کا داغ دیتا ہے۔"

پھر اپنے گناہ یاد کر کے معافی کی درخواست کر رہی ہے۔

"اے میرے محبوب! میں بے اندازہ گناہ لے کر تمہارے دروازہ پہ آئی ہوں۔ کتنی ہی روٹھنے کی باتیں تمہارے دل میں ہیں جن سے میں مقابلہ نہیں کر سکتی۔ میرے مالک! خدا کے واسطے میری خطائیں معاف کر دو۔"

"میرے کام وہ ہیں جو میری سہیلیوں نے کبھی ناپسند کئے ہیں
سب سہیلیاں اور سکھیاں مجھ پر ہنس رہی ہیں۔"

جکھڑے وزیر کا رشتہ لیلا کے خاندان کی کسی لڑکی سے ہو گیا تھا۔ شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ لیلا کی کس مپرسی دیکھ کر اس کا پورا خاندان راجہ جنیسر اور اس کے امیروں سے نالاں ہو گیا تھا اور وہ جکھڑے وزیر سے رشتہ توڑ رہے تھے۔ جکھڑے نے لیلا کا سہارا لیا۔ اور لیلیٰ نے اس شرط پر حامی بھر لی کہ شادی کے موقعہ پر جنیسر کو ضرور لایا جائے۔

جکھڑے نے یہ شرط منظور کر لی اور دیپل کوٹ واپس آ گیا۔ شادی کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔ راجہ جنیسر کو اس تقریب میں شریک کرنے کے لئے جکھڑے نے اس کی بڑی منت و سماجت کی۔ راجہ راضی ہو گیا اور بارات کے ساتھ روانہ ہوا۔

بارات منزل پر پہنچ گئی۔ راجہ کے استقبال کے لئے محفلِ رقص و سرود گرم ہو گئی۔ لیلا اپنی سہیلیوں کے ساتھ گھونگھٹ کئے ہوئے ناچنے کے ساتھ ساتھ گا بھی رہی تھی۔

"اے میرے محبوب! اگر میری عقل ماری گئی ہے تو تُو اپنے
آپ کو پہچان! تُو تو مجھ جیسی خطا کار کے لئے خطا پوش
ہو۔ تمہاری تو یہ خصلت ہے کہ ننگوں کو ڈھانک لیتے ہو"

لیلا کے ناز و ادا جنیسر کو اتنے پسند آئے کہ جب وہ ان کے نزدیک پہنچی تو کہنے لگے۔

"اے نازنین! ہم تیرے دیدار کے طلبگار ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ تم نے جیسی سریلی آواز پائی ہے ویسی ہی صورت بھی دلفریب اور دلکش ہوگی۔"

لیلا بڑی خوش ہوئی اور فوراً چہرے سے گھونگھٹ ہٹا کر خود کو ظاہر کر دیا۔ اچانک وہ اس محبوبِ دلنشیں کے حسنِ زیبا کی تاب نہ لا سکا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لیلا بھی اس کے اوپر گر گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے راجہ کی روح پرواز کر گئی۔ لیلا بھی یہ جانکاہ حادثہ برداشت نہ کر سکی اور اپنی جان نثار کرتے ہوئے اپنے محبوب سے ہمیشہ کے لئے مل گئی۔

×××××××××

سورٹھ

"پردیس کی خاک چھانتا ہوا یہ سوالی تیرے دیس میں آیا ہے - یہ بنجارا تیرا سر مانگ رہا ہے۔"

"اے راجہ میں تیرے دروازہ پر فقیرانہ حال لیکر آیا ہوں - مجھ بیمار کا سوال سن لے - تیرے محل میں کئی موسیقار گا کر گئے ہیں۔ اچھوں سے ہمیشہ بھلائی ہوتی ہے - اس لئے تو مجھے ضرور پناہ دیگا۔"

بیجل نامی بنجارا راجہ رائے دیاس کے محل کے دروازہ پر کھڑے ہو کر صدائیں لگا رہا تھا۔ اپنے چنگ پر کئی قسم کی دھنیں بجا رہا تھا۔ جن میں عجیب سی کشش تھی۔ بیجل جونا گڈھ کے راجہ رائے دیاس کی بہن کا لڑکا تھا۔ راجکماری کے اولاد نہیں ہوتی تھی

اور وہ اولاد کے لئے ترستی تھی۔ ایک دن ایک بزرگ، راجہ کے محل میں آیا۔ راجکماری نے بھی اپنے دل کا مدعا اس سے بیان کیا۔

"اے مہاراج! عرصے سے اولاد کے لئے ترس رہی ہوں۔ دعا کیجئے کہ ایک بچہ مل جائے۔"

درویش نے دعا کی اور کہا۔

"راجکماری تجھے بچہ ملے گا لیکن وہ راجہ کو قتل کر دیگا۔"

"قربان ہوا ایسا بچہ جو بھائی کو قتل کر دے۔ فقیر بابا! مجھے ایسا بچہ نہیں چاہیئے۔"

لیکن فقیر کی دعا قبول ہو چکی تھی۔ ایک سال کے اندر راجکماری کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا۔ راجکماری نے بڑی احتیاط سے بچے کو ایک صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈلوا دیا۔ صندوق تیرتا ہوا راجہ انبرائے کی حکومت میں آپہنچا۔ ایک بنجارے کی نظر صندوق پر پڑی اور وہ صندوق پانی سے نکال کر اپنے گھر لے گیا۔ بیوی نے لڑکے کے صندوق کو شوق سے دیکھا۔ صندوق میں ایک خوبصورت بچہ دیکھ کر دونوں کی باچھیں کھِل گئیں اور وہ اسے بڑے لاڈ سے پالنے لگے اس کا نام بیجل رکھا گیا۔

بیجل جوان ہو گیا اس نے چنگ بجانے میں خاصی مہارت حاصل کی ایک دن جنگل میں اسے ہرن کی سوکھی ہوئی آنتیں ملیں جن کو ہوا لگنے سے عجیب سریلی آواز پیدا ہوتی تھی۔ وہ آواز اتنی دلکش تھی کہ تمام چرند پرند

ان آنتوں کے سامنے گردن جھکائے کھڑے رہتے تھے۔ بیجل یہ نقشہ دیکھ کر متحیر ہو گیا اور ان آنتوں کو اٹھا کر اپنے چنگ پر چڑھا لیا۔ اور اپنے اس کارنامے کو آزمانے بیٹھا۔ جیسے ہی چنگ بجنا شروع ہوا، چرند پرند اُس کے سامنے ناچنے لگے۔ اس طرح وہ روزانہ دو چار جانور شکار کر لیا کرتا تھا اور اپنے عزیزوں کا پیٹ بھر دیا کرتا تھا۔ ہر جگہ اس کے ساز کا چرچا ہونے لگا۔

راجہ رائے دیاس کے محل میں سورٹھ سب سے چھوٹی رانی تھی جو بڑی حسین و جمیل تھی۔ اس کے حسن کی شہرت ہر ملک میں پہنچ چکی تھی۔ کہنے کو تو وہ ایک کمہار کی لڑکی تھی۔ لیکن درحقیقت راجہ انبرائے والیٔ گجرات کی لڑکی تھی۔ راجہ انبرائے کی سات لڑکیاں تھیں وہ لڑکیوں سے تنگ آچکا تھا۔ اس لئے جب اُسے اس لڑکی کے پیدا ہونے کی خبر ملی تو حکم دیا کہ راجکماری کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا جائے۔ حکم کی تعمیل کر دی گئی۔ صندوق کاٹھیاواڑ کی طرف راجہ رائے دیاس کی سرحد پر پہنچ گیا۔ اور ایک کمہار اسے نکال کر اپنے گھر لے آیا۔ ایک حسین بچی کو صندوق میں دیکھ کر کمہار اور اس کی بیوی بہت خوش ہوئے۔ ایک چاند سا بچہ بیٹھے بٹھائے انہیں مل گیا، جس کا نام سورٹھ رکھا گیا۔ وہ بڑی خوشی سے اس بچی کو پالنے لگے۔ وہ بڑی ہو کر چودھویں کا چاند بن گئی۔ کمہار کو راجہ انبرائے سے بڑی عقیدت تھی۔ انبرائے نے لڑکی کے حسن و جمال کی بڑی تعریف سنی تھی۔ وہ چاہتا تھا

کہ سورٹھ سے شادی کرے اور یہ پیغام کمہار کے پاس بھجوا دیا۔ کمہار بڑا خوش ہوا اور فوراً رشتہ منظور کر لیا۔

شادی کا دن قریب آ رہا تھا، کمہار تیاریاں کر رہا تھا۔ ایک دن وہ بارات لے کر بڑی دھوم سے انیرا ئے کی راجدھانی کے لئے روانہ ہو گیا۔ رائے ویاس کو اس کی اطلاع مل گئی۔ اس نے فوراً حکم دیا کہ بارات کا رخ اس کے محل کی طرف پلٹ دیا جائے۔ اور کمہار کو اس کے حضور میں پیش کیا جائے۔

کمہار کانپتا ہوا شاہی محل میں داخل ہوا۔ رائے دیاس آگ بگولہ ہو گیا کمہار کو دیکھتے ہی ڈانٹا اور کہنے لگا۔

"کمینے! مجھے چھوڑ کر لڑکی کو غیروں میں بیاہنے جا رہا ہے تجھے شرم نہیں آتی، کہ میری رعایا میں ہوتے ہوئے بغیر میری مرضی کے تو نے لڑکی کا رشتہ ناتہ کر دیا۔ اب سورٹھ اس محل کی رانی ہے اور ہمارے پاس رہے گی"

اور سورٹھ رائے ویاس کی چہیتی رانی بن گئی۔ وہ رائے دیاس پر سو جان سے فدا ہوتی تھی۔

راجہ انیرائے کو جب یہ معلوم ہوا تو اسے بڑا غصہ آیا، لیکن وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ اتنے بڑے راجہ سے دشمنی مول لینا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ پھر بھی رقابت کے جوش نے اُسے رائے دیاس پر حملہ کرنے کے لئے ابھارا۔ وہ اپنا لاؤ لشکر لے کر روانہ ہوا۔ سال بھر تک جونا گڑھ کا محاصرہ

کیا لیکن کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ وہ بڑا پریشان ہو کر واپس لوٹ آیا۔ پھر اعلان کرایا کہ جو کوئی راجہ رائے دیاس کا سر لا کر دے گا میں اسے مالا مال کر دوں گا۔ اور بطور پیشگی کتنے ہی ہیرے اور جواہرات پیش کئے۔ بیجل کی بیوی نے وہ ہیرے اور جواہرات بطور پیشگی وصول کر لئے کہ میرا خاوند اس کام کو سرانجام دے گا۔

بیجل کو گھر کا نقشہ بدلا ہوا دیکھ کر بڑا تعجب ہوا۔ جب بیوی نے تمام قصہ سنایا تو بڑا برہم ہوا۔ وہ گھبرایا کہ اگر وعدہ پورا نہیں ہوا تو موت کے سوا اور کوئی سزا نہیں ہوگی۔

سورٹھ راجہ رائے دیاس پر فریفتہ تھی۔ اس نے ایک بھیانک خواب دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ راجہ کو کسی فقیر نے قتل کر دیا ہے۔ سورٹھ اس خواب کو حقیقت سمجھی اور راجہ کی اتنی حفاظت کرنے لگی کہ مجال ہے کوئی پرندہ بھی راجہ کے پاس جا سکے۔ سخت پہرہ کے باوجود وہ بذاتِ خود راجہ کی نگرانی کرتی تھی۔

بیجل اپنا چنگ لے کر راجہ رائے دیاس کی راجدھانی میں پہنچ گیا۔ راجہ کے سخت پہرہ کی خبر سن کر وہ بہت گھبرایا۔ ایک رات کو محل کے باہر بیٹھ کر وہ چنگ بجانے لگا۔ رائے دیاس ایسی سریلی اور دلکش آواز سن کر بیتاب سا ہو گیا۔ اور کھڑکی سے بنجارے کو دیکھتا رہا۔ بنجارہ بھی اپنے فنکار کو دیکھ کر بڑے جوش سے ساز بجانے لگا، اور اپنے پورے کمالات کے جوہر دکھانے لگا۔ تو راجہ بالکل مدہوش سا ہو گیا۔ جب بنجارے نے ساز بجانا بند کر دیا تو

اُس نے کہا۔

"اے موسیقار ہم تمہارے فن سے بڑے خوش ہوئے اور چاہتے ہیں کہ یہ سامانِ سیاں ہی بجتا رہے جو ہماری روح کو تسکین پہنچاتا رہے۔"

"مہاراج! میں آپ کا ادنیٰ سا غلام ہوں۔ اور آپ کی خوشنودیٔ طبع کے لئے اپنا پورا فن پیش کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اگر اجازت ہو تو آپ کے حضور میں حاضر ہو جاؤں۔"

"اے گائک! میں مجبور ہوں میرے پاس کوئی بھی نہیں آسکتا سب راستے بند ہیں اور سخت پہرہ ہے۔ مجھے رانی سورٹھ نے قید کر رکھا ہے۔"

"دیالو! آپ تو دھرتی کے بھگوان ہیں اور ایسے دیاوان ہیں کہ جن کے دروازے سے کوئی نراش نہیں جاتا۔"

"اے مسافر! تیرے گیتوں کی دُھن میرے دماغ پر چھائی جا رہی ہے۔ چاہتا ہوں کہ تم بجاتے رہو اور ہم سنتے رہیں جس سے دل کو چین، دماغ کو سرور اور روح کو آرام ملتا رہے

یاد پر دسیوں میں تمہیں کمند کے ذریعہ اپنے پاس لانا چاہتا ہوں۔"

بیجل رائے ویاس کے سامنے تھا اور رائے ویاس گیت سننے کے لئے بیقرار تھا۔ ایک عجیب سی خلوت تھی۔ ایک مختصر سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ بیجل نے بڑے جوش سے ساز بجانا شروع کیا۔ ساز میں سوز بھی تھا سرور بھی تھا، کیف بھی اور نشاط بھی۔ راجہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"میرے پاس مال و املاک کی کوئی کمی نہیں ہے۔ اتنے انعامات دے سکتا ہوں کہ تیرا دل خوش ہو جائے۔ اے چارن بتا تجھے کیا چاہیئے۔

"اے سائل! مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ تم میرے پاس آئے ہو۔ اگر تمہاری روح کو ایک کروڑ روپے سے تسکین مل سکتی ہو تو تیرے قدموں پر نچھاور ہے۔ اب سے یہ قیمتی نایاب انعام صبح کو اس سے بھی زیادہ دوں گا۔ میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔"

بنجارہ کبھی راجہ کے انعام کو دیکھتا اور کبھی راجہ کو دیکھتا رہا راجہ کے اصرار پر آخر بیجل کہنے لگا۔

"پردیس سے چل کر یہ فقیر تمہارے پاس آیا ہے۔ اسے مال کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ سائل تمہاری جان کا طلبگار ہے۔ اسے ایک لمحہ کے لئے بھی صبر نہیں آتا جلدی سے سر کاٹ کر اس کے حوالے کر دو"

"سب دروازے چھوڑ کر تیرے در پر آیا ہوں اے سورٹھ کے خاوند! میری بات مان لے۔ تو کیسے کسی سائل کی جھولی کو خالی چھوڑ سکتا ہے۔"

ساز کی آواز سن کر سورٹھ جاگ گئی اور ایک پوشیدہ جگہ سے ان کی گفتگو سنتی رہی۔ جب اس نے سائل کا انوکھا سوال سنا تو بہت گھبرائی۔ اور دروازہ کھول کر فوراً اندر پہنچ گئی۔ لیکن راجہ نے سائل کا سوال منظور کر لیا اور کہنے لگا۔

"اگر میرے کاندھوں پر کروڑوں سر ہوں تو ایک ایک کر کے ان کو سو سو بار قربان کر دوں۔ اے سائل! تم اپنا ستار بجاؤ تو میں قربان ہو جاؤں۔"

"اے گائک! دیاس تیری خواہش دس بار پوری کرے

لیکن تو جس چیز کی طمع دکھاتا ہے اس کی تو ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی قیمت نہیں ہے۔ اگر یہ سر تمہارے کام آتا ہے تو ابھی کاٹ کر دے دوں۔"

"اے بنجارے! میرے نزدیک آجاؤ تو تم سے راز کی بات کہہ دوں۔ بتا کہ کندھوں سے کاٹ کر دیدوں یا جسم کے ساتھ سر حوالے کر دوں۔"

سوداگر نے راجہ کا وچن سن کر اپنے بال نوچ لئے۔ پھر حواس درست کر کے بڑی عاجزی سے بیجل کے سامنے آ کر یہ کہنے لگی

"اے چارن! میرے پاس موتیوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ میں تمام ہیرے جواہرات اپنے پتی کے سر کے عوض دے رہی ہوں تو اس سر کو لے کر کیا کرے گا۔ یہ تو میرا متاع زندگی ہے۔ یہ تو میرے محل کی رونق ہے۔ یہ تو میری اندھیری راہ کا چراغ ہے"

لیکن بیجل تو سر کا سوالی تھا۔ اسے موتیوں سے کوئی سروکار نہ تھا اسے ہیرے جواہرات کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ راجہ کی بہن بھی موقع پر آپہنچی حقیقت سے واقف ہو کر بھائی سے کہنے لگی کہ اپنے وچن کی لاج رکھو بھیا! ورنہ دنیا کے آخری دن تک تمہارے خاندان پر یہ ایک سیاہ داغ بن کر

رہ جائے گا۔

"اے بہادر! اپنا سر کاٹ کر اس سائل کے حوالے کر دے"

اتنے میں راجہ کی ماں بھی آ گئی اور کہنے لگی کہ۔

"شاباش بیٹے! سر دے کر سرخرو ہو جا۔ اپنے قول سے منہ موڑنا شریفوں کی شان نہیں۔"

سورٹھ تعجب سے ہر اک کو دیکھ رہی تھی اور سب لوگوں کی ہمت دیکھ کر آگے بڑھی اور جھک کر راجہ کو نمسکار کیا اور کہنے لگی کہ۔

"اے پران ناتھ! آپ اپنا وعدہ وفا کریں۔ میں بھی آپ کے ساتھ سورگ میں چل کر آپ کی خدمت کروں گی۔"

سب لوگوں کا ایثار دیکھ کر راجہ بہت خوش ہوا۔ اور بیجل سے کہنے لگا۔

"سر کاٹ لے اور تو خوش ہو جا۔ اے چارن! یہ سر کیا ہے تم پر تو ساری دنیا کو قربان کر دوں۔"

"تمہارے تار کی آواز نے جو کچھ کہا وہ قبول ہو گیا۔ سر تو کوئی معنی نہیں رکھتا اور بھی کچھ مانگ لے۔ یہ تو مٹی کا بنا ہوا ہے کاٹنے کے بعد اس کی کوئی قیمت نہیں۔"

بنجارہ فقط سر کی آرزو لے کر دیا س کے دروازہ پر پہنچا تھا۔ اسے

دیا اس کے سر کے سوا اور کچھ نہیں چاہیئے تھا۔ راجہ نے اپنے خنجر سے اپنا سر کاٹ لیا۔ محل میں ایک کہرام مچ گیا۔

"گرنار کا پھول ٹوٹ گیا اور سہاگنیں ماتم کرنے لگیں۔"

ایسے دیا لو راجہ کا سر دیکھ کر بیجل ششدر رہ گیا اور وہ چلا چلا کر رونے لگا۔ اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ ایسے سر کو کن ہاتھوں سے اٹھائے۔ ہاتھ کانپ رہے تھے، جسم لرز رہا تھا۔ آخر راجہ کی ماں سے نہ رہا گیا۔ اس نے التجا کی کہ۔

"اے سائل! تیرا مقصد پورا ہوا۔ اب اس سر کو اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر قبول کر تا کہ میرے بیٹے کی روح کو قرار حاصل ہو۔"

راجہ کا سر لے کر بیجل انبرائے کی نگری کی طرف روانہ ہو گیا۔ سورٹھ سات سنگھار کر کے راجہ کے جسم کو اپنے سینہ سے لگا کر آگ میں کودنے کے لئے تیار تھی، تو دور سے آواز آئی کہ۔

"اے رانی ٹھہر جا! مجھ دکھی پر رحم فرما! یہ نیک سر مجھ جیسے گنہگار کے ہاتھوں میں نہیں جچتا۔ اپنی امانت مجھ سے لے لے۔"

سورٹھ نے بڑے پیار سے وہ سر لے لیا اور سائل کو دعا دی۔ تھوڑی دیر بعد راجہ کی لاش کے ساتھ آگ میں کود پڑی اور دوسری دنیا میں اپنے پریتم سے جا ملی۔

نوری و جام تماچی

لوری، جام تماچی سے التجا کر رہی تھی۔

"آپ حاکم ہیں، میں ایک مچھیرن ہوں، سوائے عیبوں کے اور کچھ میرے پاس نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کہیں اپنی رانیوں کی صورت دیکھ کر ہم غریب مچھیروں کو بھلا دیں۔"

لوری اپنے شوہر سندھ کے حاکم تماچی کے ہمراہ کینجھر جھیل میں سیر کر رہی تھی۔ ماہتاب اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ دنیا کی ہر چیز کو منور کر رہا تھا چھوٹی کشتی جھیل میں ہولے ہولے چل رہی تھی۔ دھیمی دھیمی ہوا چلنے کے باوجود لوری اپنے مالک کو مورچھل جھل رہی تھی۔ تماچی کو کائنات کی ہر چیز پیاری لگ رہی تھی۔ جھیل کا صاف وشفاف پانی، کنارے کے چھوٹے چھوٹے پیڑ، اور کشتی کے ہلکے ہچکولے اور ان سب چیزوں سے زیادہ محبوب چیز لوری، جام تماچی کی دل وجان کی روشنی جس سے وہ ایک لمحہ کی جدائی بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ لوری میٹھے سروں میں گا رہی تھی۔ اس کے

گانے میں رس بھی تھا، مٹھاس بھی تھی اور اس سے کہیں زیادہ التجا اور عاجزی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"اے میرے سرتاج! تو شاہ ہے اور میں مچھیرن۔ مجھ میں لاکھوں عیب موجود ہیں۔ میرے ان عیبوں کو تم اچھی طرح جانتے ہو جن کا شمار کرنا محال ہے۔ کبھی ایسا نہ ہو کہ تم ہم غریب مچھیروں سے رشتہ توڑ دو۔"

فیروز تغلق کے دور میں سندھ سما قوم کے قبضہ میں تھا اور جام تماچی اسی خاندان کا حکمراں تھا۔ ٹھٹھہ میں حکومت کرتا تھا اور ٹھٹھہ اس زمانہ میں سندھ کا پایۂ تخت تھا۔ کینجھر جھیل ٹھٹھہ اور جھرک کے درمیان واقع ہے اس جھیل میں اور اس کے کنارے پر مچھیروں کی آبادی تھی۔ عام طور پر وہ اپنی کشتیوں پر ہی گذر کرتے تھے۔ لیکن ان میں سے کچھ لوگوں کی کنارے پر جھونپڑیاں موجود تھیں۔ وہ لوگ سارا دن مچھلیاں مارنے میں مصروف رہتے تھے اور مچھلیوں کو کاندھوں پر اٹھائے کنارے پر ڈھیر کر دیتے تھے۔ ان کی عورتیں مچھلیوں کو ٹوکروں میں ڈال کر چوراہوں اور گلیوں میں بیٹھ کر بیچا کرتی تھیں ان کے بچے کبھی پانی میں اور کبھی مٹی میں کھیلا کرتے تھے۔ سب لوگوں کا گذر مٹی اور غلاظت میں ہوا کرتا تھا۔ لوگوں کو ان کے کالے کالے رنگ اور بے ڈول چہرے ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے۔

سندھ کا حاکم جام تماچی ایک نامور حکمراں اور علم وفن کا ماہر تھا وہ فہم و فراست میں اپنی مثال آپ تھا۔ وہ دبدبہ اور شان و شوکت سے

دشمنوں کو ہمیشہ نیچا دکھاتا تھا۔ وہ جاہ و حشمت میں یکتائے زمانہ تھا اور حسن و جمال میں لاثانی۔

دہلی کے شہنشاہ کی مخالفت کے باوجود وہ اپنی حکومت بڑی دلیری سے کیا کرتا تھا۔ سیر و تفریح کا دلدادہ تھا۔ شکار سے بھی اسے کافی دلچسپی تھی۔ ایک دن وہ کنجھر جھیل پر شکار کھیل رہا تھا، اس کی کشتی آہستہ آہستہ چل رہی تھی، تماچی شکار میں اتنا محو تھا کہ اس کی کشتی مچھیروں کی کشتیوں کے بالکل نزدیک پہنچ گئی۔ مچھیروں میں حسنِ اتفاق سے ایک خوبصورت لڑکی تھی جسے خدا نے حسنِ کامل عطا فرمایا تھا۔ جس کی ایک مسکراہٹ دلوں میں حشر بپا کردیتی تھی جس کا بانکپن اور الہڑ شباب ایک قیامت ڈھا سکتا تھا۔ اس کے چہرے سے نور برستا تھا اور اس لئے اسے نوری کہا کرتے تھے۔

نوری اس وقت اپنے خاندانی پیشہ میں لگی ہوئی تھی اور اپنی کشتی سے مچھلی کا انتظار کر رہی تھی۔ جام تماچی کی کشتی کچھ فاصلہ پر عین نوری کی کشتی کے سامنے پہنچ گئی۔ جام مچھلی کی تاک میں پانی کو دیکھ رہا تھا۔ نوری کے شکار کا مرکز بھی وہی جگہ تھی۔ نوری کی قسمت میں مچھلی تھی اور جام کی قسمت میں نوری جیسے ہی نوری نے مچھلی کو کھینچنا شروع کیا جام کی نظر اوپر اٹھی۔ نوری کی آنکھوں میں وہ جادو تھا جس نے ایک نگاہ سے ہی سندھ کے اتنے بڑے حاکم جس کی دھاک تمام ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی، مسحور کردیا۔ جام کے ہوش و حواس خطا ہوگئے اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ حقیقت میں دیکھ رہا ہے۔ اور وہ واقعی اس دنیا کی عورت ہے۔ وہ اسے عالمِ غیب

کی کوئی حور سمجھ رہا تھا۔ یا ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے کوئی خواب دیکھ رہا ہو اس پریشانی میں وہ واپس اپنے محل پہنچ گیا۔ اس پریشانی کے عالم میں جو اسے کسی پہلو بھی چین نہیں لینے دیتا تھا، اپنے وزیروں اور امیروں سے مشورہ کرنے لگا۔ وہ بادشاہ کی اس بے چینی سے گھبرا گئے۔ ایسے ہمدرد داور ہر دلعزیز حاکم کو وہ اتنا مضطرب نہ دیکھ سکتے تھے۔ اس لئے اس بات پر رضامند ہو گئے کہ نوری ہمیشہ کے لئے جام تماچی کی ہو جائے۔

کنجھر جھیل کے مچھیروں کو دربار میں طلب کیا گیا اور وزیر اعلیٰ نے نوری کا رشتہ جام سے طے کر لیا۔ مچھیرے بڑے خوش خوش واپس ہوئے اور محل میں رقص و سرود کی محفل گرم ہو گئی۔ شہر میں خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ تاریخ کا اعلان ہو چکا تھا۔ رعایا کا ہر فرد اپنے شاہ اور آنے والی ملکہ کے لئے بارگاہِ ایزدی میں دست بدعا تھا۔ خزانوں کے دروازے کھُل گئے تھے۔ اور لوگ شاہ کی فیاضی سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہے تھے۔ مچھیروں کے نصیب نے بھی ان کی یاوری کی۔ اور وہ سب سرکاری محاصل سے بری کر دیئے گئے۔ اب وہ کنجھر جھیل کے رئیس بن گئے۔ کنجھر جھیل ان کی ملکیت قرار دی گئی تاریخ مقررہ پر سندھ کے حاکم کی بارات بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوئی۔

"جال اور ٹوکرے جن کی پوری کائنات تھے وہ صبح سویرے تماچی کے محل میں پہنچ جاتے تھے۔"

"مچھلی جن کی خوراک تھی اور مچھلیوں کے ڈھیر جن کی ملکیت

اُن پسماندہ لوگوں کو بھی سمے حاکم نے اپنا رشتہ دار بنا لیا۔"

"جن کے ٹوکرے غلیظ اور بدبو سے بھرے ہوئے تھے جن کے جسم سے اگر اتفاق سے کسی کا جسم چھو جاتا تو شرم محسوس ہو۔ سمے حاکم نے بڑے شوق سے انہیں انعام و اعزاز سے نوازا۔ بدصورت اور بدشکل عورتیں جو کبھی بھی خوبصورت اور لائق نہیں ہو سکتی تھیں اور جن کا پیشہ چوراہوں پر مچھلی کی ٹوکریاں لے کر بیٹھنا تھا، اُن کے ناز نخرے سمے کے سوا اور کون ہے جو برداشت کر سکے۔"

جاؔم کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ کینجھر کا کنارہ روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ ہر کالا کلوٹا مچھیرا مونچھوں پر تاؤ دے رہا تھا۔ ہر بدصورت مچھیرن ٹھمک ٹھمک کر چل رہی تھی۔ ان کی کائنات ہی بدل چکی تھی۔ وہ خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتے تھے۔ ان کے چہروں پر شادمانی کی ایک لہر دوڑ رہی تھی۔ لیکن نوریؔ کچھ افسردہ خاطر تھی۔ اس کے چہرے پر ایک معصوم سنجیدگی تھی وہ سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔ جاؔم، نوریؔ کے قریب آیا اور بڑے پیار سے دیکھنے لگا۔ وہ تو چودھویں کے چاند کو شکست دے رہی تھی۔ جاؔم سے رہا نہ گیا اس نے چاند کو اپنی گود میں اٹھا لیا

لیکن نوری اس کی گود میں بے حس و حرکت پڑی رہی۔ جام کا دل مارے خوشی کے اچھل رہا تھا۔ جام نے بڑے پیارے بول بولنے شروع کئے لیکن نوری کبھی نیچی اور کبھی ترچھی نگاہوں سے جام کی صورت اور جام کی گفتگو کا جائزہ لے رہی تھی۔ محبوب کو خاموش پاکر جام تڑپ گیا۔ اور نوری شاہ کی پریشانی کو بھانپ کر کہنے لگی۔

"تم تماچی ہو اور اس زمین اور پانی کے حاکم ہو اور میں ایک ادنیٰ مچھیرن۔ مجھے کہیں اپنے سے دور نہ کر دینا کیونکہ اب میں تمہارے نام سے منسوب ہو چکی ہوں۔"

"تم اُس پانی کے مالک ہو جس کی میں ایک غریب مچھیرن ہوں۔ اور اے جام! میں تمہارے نزدیک ذاتی کنیز ہوں۔ اور تم نے جہیز میں تمام محاصل گنوا دیئے ہیں۔"

جام کو نوری کے الفاظ بڑے بھلے اور وہ ہزار جان سے قربان ہونے لگا۔ بارات اسی طمطراق سے پایۂ تخت کی طرف روانہ ہوئی مچھیروں نے بارات کو الوداع کیا۔ اور جام اپنی محبوبہ کے ساتھ ڈولی میں سوار ہو کر شاہی محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ نوری کی آنکھوں میں ناز کے بجائے نیاز تھا غرور کے بدلے عجز تھا۔ وہ بار بار شاہ کو یاد دلا رہی تھی کہ

"اے سرتاج! میں تو تمہارے پیروں کی خاک ہوں۔ اور ہمیشہ

گندگی کا کیڑا ہوں، جسے تم نے اپنے کرم سے نوازا۔"

"تم ایک حاکم ہو اور ایک حاکم کے فرزند ہو۔ میں ایک گندی مچھیرن اور ایک غلیظ مچھیرے کی اولاد ہوں۔"

تماچی اپنی محبوبہ نوری سے بڑے پیار و محبت کا برتاؤ کرتا رہا۔ لیکن نوری میں کبھی بھی غرور و تمکنت پیدا نہیں ہو سکا۔ جیسے جیسے جام اس پر کرم نوازی کرتا رہا ویسے ویسے وہ جھکتی رہی۔

"جام تماچی سے مچھیرے بے تکلف ہو گئے۔ چھوٹی بڑی مچھیرنیں محل میں وقتاً فوقتاً آتی جاتی رہیں اور کینجھر جھیل والے سب لوگ انعاموں سے سرفراز ہوتے رہے۔"

"اس مچھیرن کے دل میں کبھی بھی فخر اور تکبر جاگزیں نہ ہو سکا اور وہ اپنی نگاہوں سے ناز کرتے ہوئے ہر نظر میں راجا کو شاد کر دیا کرتی تھی۔ سمے کو سب سے زیادہ اپنی ہوشیاری سے اپنی طرف رجوع کرنے لگی۔"

"نوری کے نیاز میں ایک بے روک اور عجیب کشش تھی۔ اور سمے نے جیسے سب رانیوں میں سے چن کر اس کے سر پر

تاج رکھ دیا ہو۔ وہ رانیاں اونچی گردن کئے ہوئے جامؔ کو

دیکھتی تھیں۔ لیکن جامؔ کی آنکھوں میں لوزیؔ ہی سمائی ہوتی

تھی۔

وہ جامؔ تاجی کے ساتھ جب کبھی کنجر جھیل پر شکار کھیلنے جاتی تھی تو اپنے بیتے دن یاد کر کے جامؔ کو احسامند نظروں سے دیکھا کرتی۔ لیکن کسی وقت بھی اس میں فخر و غرور نام کو بھی پیدا نہیں ہوا۔ جامؔ اس کی ہر ادا پر نثار ہو جاتا تھا۔ لوزیؔ کا یہ اعزاز اتنا بڑا عروج دیکھ کر ہر آدمی اس کی طرف جھکنے لگا۔ شاہی خاندان کی شہزادیاں بھی اس سے بڑی گھل مل گئیں اور سمہ خاندان کی رانیاں جو غرور اور تکبر کی پتلیاں تھیں لوزیؔ کا عجز و نیاز دیکھ کر اس کے سامنے جھک گئیں۔

جامؔ تاجی بھی اس کے عشق میں کبھی تو اتنا مست ہو جاتا تھا کہ مورچھل لے کر اسے جھلنا شروع کر دیتا اور وہ اُٹھ کر کھڑی ہو جاتی۔ اور کہتی کہ۔

"اے سرتاج! میری جان تم پر قربان۔ میں ایک عیب دار، مسکین مچھیرن ہوں۔ تم نے مجھ پر احسان کر کے ایک نیچ کو نوازا ہے۔ خدا کرے کہ تمہاری محبت ہمیشہ حاصل کروں۔"

ایک دفعہ جامؔ کو خیال آیا کہ لوزیؔ کے عجز و نیاز کو ایک بار اور آزمایا جائے۔ حرم سرا میں پیغام بھیجا کہ۔

"آج شام کو سب رانیاں بن سنور کر بیٹھیں۔ جب ہمارے دلہ

نے چاہا اُسے اپنے ہمراہ سیر کے لئے لے جائے گے۔"

اس اعلان کو سنتے ہی سب رانیاں ہار سینگار میں لگ گئیں۔ آج انہیں اپنے حسن کی نمائش کا ایک خاص موقعہ ہاتھ آیا تھا۔ ہر ایک یہی چاہتی تھی کہ یہ اعزاز اسے نصیب ہو۔ لوری نے کوئی سینگار نہیں کیا تھا اور اپنا سیدھا سادہ خاندانی لباس پہن کر ایک مسکین صورت بنائے بیٹھ گئی۔

جام وقتِ مقررہ پر محل سرا میں پہنچا۔ ہر رانی اس کی طرف لپکی اور بڑے چاؤ سے جام کا استقبال کرنے لگی۔ ان کے ناز و انداز اور ان کی ادائیں ایسی تھیں کہ فرشتے بھی بہک جاتے لیکن جام کی نظریں لوری کی تلاش میں تھیں۔ وہ کہیں دور سر نیچے کئے ہوئے بڑی سادگی سے جام کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جام آگے بڑھا۔ لوری اُٹھ کر کھڑی ہو گئی اور آداب بجا لائی۔ پھر نیچی نظر کئے ہوئے کھڑی رہی۔

"لوری نے اپنے کنبہ کا ایک سادہ جوڑا پہن لیا تھا۔ سب رانیاں سات سینگار کر کے تیار بیٹھی تھیں۔ اس نے اپنے ہمراہ گاڑی میں مجھ دل کو بٹھا کر نواز دیا۔"

جام نے اسے کھینچ کر گلے سے لگا لیا اور اپنے ساتھ لے کر روانہ ہو گیا سب رانیاں منہ لٹکائے دیکھتی رہ گئیں۔ جب رات کو وہ سیر سے واپس آئے تو جام نے لوری کو سب رانیوں کے روبرو مہارانی کا لقب دیا ایک مدت تک یہ دونوں سندھ پر راج کرتے رہے۔ رعایا ان کی ہمدردی اور فیاضی سے بڑی خوش تھی اور دونوں کی درازی عمر کے لئے

دعا کرتی تھی۔

"نیچے پانی اوپر آسمان اور میرے ساتھ میرا محبوب۔ ہمارے سب کام سیدھے ہو رہے ہیں اور کوئی کام ٹیڑھا نہ رہا۔"

"مچھیروں کے ہاتھ میں چپّو اور جامؔ کے ہاتھ میں جال تھا۔ کل سارا دن وہ کنجھرؔ پر شکار کھیلتے رہے۔"

"جھگیوں میں خوشیاں ہو گئیں کہ آج تماچی آگیا۔ ملّاحوں کے بچے خوشی میں مست رہے تھے۔ جامؔ کی بڑی زندگی ہو جس نے مچھلی مارنے کی جگہوں کو آباد کر دیا۔"

عمر و ماروی

عمر کے اصرار پہ مارئی کہہ رہی تھی۔

"جب الست بربکم کی آواز کانوں میں پڑی تھی تو

میں نے دل سے "قالو بلیٰ" کہا تھا اور اسی لمحہ

میں نے اپنے قبیلہ والوں سے وفاداری کا عہد کیا تھا"

ایک حسین و جمیل دیہاتی لڑکی جس کی سادگی اور معصومیت سے فرشتے بھی شرما جائیں۔ بڑے محل کے ایک چھوٹے سے کمرہ میں فرش پر بیٹھی ہوئی حاکم سے التجا کر رہی تھی ۔ وہ حاکم سندھ کا حکمراں عمر سومرہ تھا۔ جس کی حکومت میں انصاف و قانون کا احترام کیا جاتا تھا۔ اس کے جاہ و حشم اور شان و شوکت کی پورے ملک میں دھاک تھی لیکن وہ عورتوں کے معاملہ میں کمزور واقع ہوا تھا۔ مارئی اس کی قید میں بند تھی۔ مارئی تھری علاقہ کے مارو قوم کی لڑکی تھی وہ کہہ رہی تھی۔

"اے عمر! تمہارے پاس تو عید ہے اور ہم لوگوں کے لئے ماتم
ان بچاروں نے تو خوشی اور خریداری کو بھلا دیا ہے
وہ ملیر کے مارو میرے جدائی کے شہید ہیں۔"

ماروی کے کپڑے میلے ہوگئے تھے۔ عمر اس سے کپڑے بدلنے کے لئے اصرار کر رہا تھا۔ اور ماروی کہہ رہی تھی۔

"اے عمر! وہ عیب دار عورتیں کیسے کپڑے پہن سکتی ہیں
جن کے عزیز و اقارب تھر ملک میں لوگوں کے طعنے
سنتے ہوں۔ بھلا وہ عورتیں جو اپنا حق توڑتی ہیں
وہ کیسے کنواری ہوسکتی ہیں۔"

سندھ کے تھری علاقہ کے ملیر گاؤں میں کچھ چرواہوں کے قبیلے آباد تھے جنہیں مارو کہا جاتا تھا۔ ان کی گذر اوقات مویشیوں پر تھی۔ وہ بالکل سادہ لوگ، دنیا کے جھمیلوں سے دور اپنی ایک چھوٹی سی بستی میں رہتے تھے۔ ایک چرواہا جسے پالنی کہتے تھے اس بستی کا معتبر شخص سمجھا جاتا تھا۔ مویشیوں کے علاوہ اس کے پاس کچھ قطعے زمین کے تھے جن میں وہ ایک کسان پھوگ نامی کے ہمراہ کاشت کیا کرتا تھا۔ اس کی بیوی مویشیوں کو لیکر جنگل میں چرانے جاتی تھی۔ ان کے گھر میں ایک لڑکی چندے آفتاب چندے ماہتاب، گویا کہ اس اجڑی ہوئی بستی کی روشنی تھی جسے ماروی کہا کرتے تھے۔ اس کے حسنِ عالم تاب کی شعاعیں اُٹھتی ہوئی جوانی کے ساتھ شرارے بنتی رہیں۔ مجال کیا وہ جو کسی کو آنکھ اُٹھا کر دیکھے۔ اس

حسنِ سادہ و معصوم نے سارے گاؤں کو مسحور کر رکھا تھا۔ اور گاؤں والے بھی اپنی عصمت مآب لڑکی پر فخر کیا کرتے تھے۔ پھوگ مدت سے ایک آرزو کو دل میں پالنے لگا تھا۔ ایک دن اس نے اپنے دل کا مدعا پالنی کے سامنے پیش کیا، وہ ماروئی کو اپنی شریکِ حیات بنانا چاہتا تھا۔ پھوگ چونکہ کسی غیر قبیلے سے تعلق رکھتا تھا اس لئے پالنی نے اس کی درخواست مسترد کر دی۔ اور ماروئی کی سگائی فوراً اپنے قبیلے کے ایک نوجوان کھیت سے کر دی۔ پھوگ کی ساری اُمیدیں خاک میں مل گئیں اور وہ حسد کے مارے انتقام لینے کی تدبیر کرنے لگا۔ وہ اپنے ملک کے حکمراں کی کمزوری سے خوب واقف تھا، اس لئے اس نے سوچا کہ کسی طرح عمر کو اس حقیقت سے آگاہ کر دیا جائے۔ آخر ایک دن وہ عمر کوٹ پہنچ گیا۔ سندھ کا سلطان اپنے امراء اور وزراء سے خطاب کر رہا تھا اور وہ رعایا کی خوشنودی اور بہتری کے لئے انہیں تلقین کر رہا تھا۔ مجلس برخواست ہوتے ہی پھوگ فریادی بن کر حاکم کے حضور میں حاضر ہوا۔

"تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟ ہم سننا چاہتے ہیں فریادی!"

"قبلۂ عالم! میری فریاد ایسی ہے جسے تخلیہ کی ضرورت ہے۔"

"ہم دربار کو برخواست کرتے ہیں۔" سب درباری روانہ ہو گئے۔ خلوت ہو گئی اور عمر نے کہا

"کہو! تمہیں کیا کہنا ہے؟"

"حضور کا اقبال بلند ہو۔ جہاں پناہ! میں ایک خوشخبری حضور کے گوش گذار کرنا چاہتا ہوں۔"

"کہو! ہم اس خوشخبری کو سننے کے لئے تیار ہیں۔" اگر وہ واقعی ہمارے لئے ایک مبارک خبر ہوگی تو تمہیں منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔"

"حضورِ انور! آپ کے زیرِ سایہ ملیر گاؤں میں ایک لڑکی ماروی رہتی ہے۔ جس کے حسنِ فتنہ ساز کی کیا تعریف کروں۔ وہ ایک چرواہے کی لڑکی ہے لیکن ماہتاب بھی اس کے سامنے سرنگوں ہے۔ پھٹے پرانے کپڑے اس کے جسم پر ہیں۔ اگر اسے ریشمی کپڑے پہنائے جائیں تو حوریں شرمندہ ہو جائیں۔ ہم حضور کی خیر خواہ رعایا ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ایسی پری پیکر حضور کے شاہی محل کی زینت بنے۔ وہ کسی چرواہے سے بیاہی جا رہی ہے۔ قبلۂ عالم! یہ ظلم ہوگا!"

عمر انصاف اور عدل کی سب باتیں بھول گیا۔ اس کی فطری کمزوری اس پر سوار ہو گئی اور پھر پھوگ کی میٹھی میٹھی باتیں اسے ماروی کو حاصل کرنے کیلئے آمادہ کر رہی تھیں۔ آخر عمر نے تہیہ کر لیا کہ اس حسنِ بے نظیر کو محل کی زینت بنایا جائے گا۔ پھوگ نے بتایا کہ مارو لوگ ہٹ دھرمی میں مشہور ہیں اور وعدہ سے کبھی نہیں پھرتے۔ ماروی کو اگر حاصل کرنا ہے تو زبردستی یا فریب سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

عمر اپنی رعایا پر زبردستی نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے وہ دھوکے کو زیادہ سہل سمجھ رہا تھا۔ آخر یہ طے پایا کہ عمر پھوگ کے ہمراہ بھیس بدل کر ملیر روانہ ہو جائے دوسرے دن دونوں بھیس بدل کر اونٹوں پر سوار ہو گئے۔ تیسرے دن وہ صبح کو ملیر کے قریب پہنچ گئے۔ اب سوچنے لگے کہ ماروی کو کس طرح بہکا کر اپنے قبضہ میں لایا جائے۔ اسی سوچ میں چلتے چلتے گاؤں کے کنوئیں کے پاس پہنچ گئے۔

اتفاق سے ماروی کنویں پر کھڑی ہوئی اپنی ایک سہیلی سے ہنسی مذاق کر رہی تھی۔ غیر مردوں کو دیکھتے ہی وہ سٹپٹا گئی اور گھڑا دیں چھوڑتے ہوتے واپس ہونے لگی۔ سہیلی نے ڈانٹ کر کہا عجیب حرکت ہے ماروی! اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے! کوئی مسافر ہوں گے۔ اپنی راہ لے کر گذر جائیں گے۔ کیا خبر ان کے اونٹ پیاسے ہوں اور وہ پانی کی تلاش میں یہاں پہنچے ہوں۔

ماروی ٹھہر گئی۔ پھوگ نے دور ہی سے پہچان لیا اور عمر سے کہدیا۔

"حضورِ والا! گوہرِ مراد پیش نظر ہے۔ حضور ایسی ترکیب کریں کہ یہ شکار کہیں نکل نہ جائے۔"

"تم اطمینان رکھو۔ ہم اس کا انتظام کئے دیتے ہیں۔"

عمر نے پھوگ کو پیچھے چھوڑ دیا اور خود آکر وہاں ٹھہر گیا جہاں ماروی کھڑی تھی اور مسکین صورت بنائے عاجزی سے کہنے لگا۔

"مجھے بڑے زور کی پیاس لگی ہے اگر تھوڑا سا پانی پلا دو تو بڑی مہربانی ہوگی۔"

ماروی شرما گئی اور اپنی سہیلی کو پیار بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا ماروی! بیچارہ پیاسا ہے، پانی پلانے میں کیا حرج ہے"؟

عمر دزدیدہ نگاہوں سے اس حسنِ بے نظیر کا جائزہ لے رہا تھا۔ ماروی بڑی کشمکش میں پڑ گئی۔ سہیلی مذاق سے اپنی دیہاتی زبان میں کہنے لگی۔

"ایسی شرم بھی کیا۔ یہ تمہارے کوئی وہ ہیں جو شرماتی ہو۔ بیچارے پردیسی آج یہاں کل وہاں، ان سے کیا شرمانا۔"

ماروی لوٹا اٹھا کر اونٹ کی طرف بڑھ گئی۔ جیسے ہی اونچی ہو کر جھکے ہوئے عمر کے ہاتھوں میں پانی ڈال رہی تھی، عمر نے فوراً اُسے دونوں بازوؤں میں پکڑ لیا اور اونٹ پر بٹھا کر آن کی آن میں ہوا ہو گیا۔ سہیلی یہ منظر دیکھ کر سہم گئی اور پھر شور کرنے لگی۔ لیکن تیز رفتار اونٹ کافی دور نکل چکے تھے۔ گاؤں کے مرد محنت مزدوری کے لئے گاؤں سے باہر گئے ہوئے تھے۔

"جہاں گہرے کنویں ہوں اور لمبی رسیاں، جہاں بڑے پیار سے جنگل میں بکریوں کو چراتے ہوں۔ بتائیے کہ اتنے مصروف مارو کیسے میری خبر لے سکتے ہیں۔"

"رو رہی ہوں، تڑپ رہی ہوں جیسے میرے محبوب مجھ سے دور ہوتے جا رہے ہوں۔ یا اللہ! کوئی اونٹ والا بھیج دے جو اُن کی خبر سنا دے۔"

"میں کسی اور کو شوہر تسلیم نہیں کروں گی۔ میرے لئے تو وہ گدڑی پوش ہی بہتر ہے۔ میرا محبوب میلا ہی سہی، میرے دل میں تو صرف مارو کی محبت ہے۔"

ماروی لاکھ روتی چیختی رہی لیکن عمر پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ بڑی عاجزی اور انکسار سے التجائیں کرتی رہی لیکن عمر نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اسے اپنی بیوی بنائے گا۔ ملکہ

بنائے گا۔

راستہ میں ماروی نے پھوگ کو پہچان لیا اور وہ سمجھ گئی کہ پھوگ نے آخر انتقام لے ہی لیا۔ پھوگ ماروی کو سمجھا رہا تھا کہ وہ تھوڑے دنوں میں ہی سندھ کی ملکہ بنے گی۔ ہزاروں سائل اس کے دروازے پر ہوں گے، سینکڑوں کنیزیں اور لونڈیاں خدمت کے لئے ہوں گی۔ لیکن ماروی کی آہ وزاری میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"اے میرے محبوب چرواہے کے قاصد! جب کبھی تمہارا جانا اس آبادی کی طرف ہو جائے تو یاد کرکے میری سہیلیوں کو سینکڑوں سلام کہہ دینا۔ اور ان لوگوں سے کہنا کہ میں آپ کی لونڈی ہوں اور میں وہاں آنے کے لیے ہزار کوششیں کر رہی ہوں۔"

"میرے ماروؤں کے مجھ پر جو احسان ہیں اُن کا کوئی شمار نہیں، وہ ان گنت ہیں۔ کتنے گن کر کتنے اور گنوں۔"

عمر ماروی کو لے کر عمر کوٹ پہنچا۔ ماروی کو شاہی محل میں داخل کیا گیا رانیوں نے شاہانہ استقبال کیا اور کنیزوں نے جھک جھک کر سلام کئے۔ آراستہ و پیراستہ محل میں ماروی سمٹی سمٹائی ایک گوشہ میں چار و ناچار بیٹھ گئی محل کی شان و شوکت دیکھ کر اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ اسے کوئی چیز اچھی نہیں لگ رہی تھی اور وہ محل اور محل والوں سے نفرت کا اظہار کر رہی تھی۔ خدمت کے لئے

باندیاں موجود تھیں لیکن ان کو خدمت کرنے کا کوئی موقع نہیں مل رہا تھا۔ عمر کھانے پینے کے لئے بڑی منت سماجت کرتا لیکن وہ برابر یہی کہتی۔

"اے سومرہ! وہ روزانہ جنگل سے گھاس لاکر پکاتے ہیں، اور اس گھاس کو سکھا کر ساگ کی طرح کر لیتے ہیں۔ وہ دوسری قسم کی گھاس کو چاول کی طرح پکاتے ہیں۔
اے عمر! ہم اس کے مقابلے میں تمہارے پلاؤ کو ہیچ سمجھتے ہیں"

"میں اپنے وطن جاؤں گی۔ میری منزل ملیر میں ہے۔ اس اپنے دیس میں دتھ چنوں گی اور سہیلیوں کے ساتھ مل کر ساگ کاٹوں گی جو ہم لوگوں کی خوراک ہے اس وقت میرے نصیب جاگ اٹھیں گے جب میں اپنے خاوند کے نزدیک پہنچوں گی۔"

عمر کی جب ایک بھی نہیں چلتی تو وہ واپس چلا جاتا اور کنیزوں کو ماروی کے بہلانے کے لئے تاکید کر جاتا۔ لیکن ماروی کسی ایک سے بھی بات کرنا گوارا نہیں کرتی۔ عمر حسب دستور ہر رات اس کے پاس آکر اسے سمجھاتا۔ بڑی خوشامدیں کرتا، کبھی ریشمی کپڑے لے آتا اور کبھی زیورات لاتا لیکن ماروی اپنی بات پر قائم رہتی۔

چرواہوں کی لڑکیاں کبھی بھی قیمتی کپڑے نہیں پہنتیں

وہ اپنے اوڑھنیوں کو رنگ دے کر تمہارے شالوں سے بہتر سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے اونٹ کو مخمل اور دوسرے ریشمی کپڑوں سے افضل سمجھتے ہیں۔ اے سومرا! ہمارے گدڑے تمہارے اطلس اور کمخواب سے ہزار گنا بہتر ہے جو میرے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملی ہے، اسے اگر اتار دوں تو شرم سے ڈوب مروں۔"

"میں نے مارو سے اسی گدڑی میں نکاح کر لیا ہے۔ انہوں نے میری بانہوں میں سونے سے زیادہ قیمتی دھاگے باندھ دیئے۔ اے عمر! تو ہی بتا دے میں کس طرح ریشمی لباس پہن لوں۔"

"کلائیوں میں کانچ کی جھوٹی چوڑیاں مارو قوم کے لئے فخر اور شان ہیں جن سے دوسرے لوگوں کو شرم محسوس ہوتی ہے۔"

ماروی کے عجیب و غریب جوابات سن کر کبھی تو عمر بھنا جاتا اور کبھی شرم سے گردن جھکا لیتا۔ ماروی اسے بار بار یاد دلاتی کہ وہ ایک حاکم ہے اور حاکم رعایا پر ظلم نہیں کرتا۔ وہ کہتی کہ۔

"اے عمر! تم جانتے ہو میری سہیلیوں نے کنویں سے پانی نکالنا چھوڑ دیا ہے۔ کبھی بھی کوئی مارو قوم کی لڑکی محل میں نہیں گئی۔ اس سے تو بہتر تھا کہ میں ان طعنوں سے پہلے ہی مر جاتی۔"

"اے سومرا! میرا منہ میلا ہی سہی۔ مبادا میرے مارو کہیں کہ میں نے اپنا منہ محلات میں دھویا تھا۔"

"اے عمر! میری زندگی جہنم میں جائے۔ وہ رسم جو ماروؤں میں معیوب ہے وہ میں نے ادا کردی ہے۔ اب بتا کیا صورت لے کر اپنے وطن جاؤں گی۔"

ماروی اپنے بال کبھی بھی نہیں دھوئے گی۔ نہ وہ کبھی ہنسے گی اور نہ کبھی روئے گی وہ تو عمر کے اِنصاف پر سوچ بچار کر رہی ہے۔ یہ جو تم نے مصیبت پیدا کر رکھی ہے، وہ تمہارے سامنے آجائے گی۔"

اِسی طرح ماروی بہت کچھ کہہ جاتی اور عمر خاموشی سے سنتا رہتا۔ ایک دن عمر نے پھر اس کے سامنے مہارانی بننے کی تجویز پیش کی۔ ماروی کہنے لگی

"اے سومرا! میں کسی ماروی کی ملکیت ہوں اور زبردستی کسی
دوسرے کی نہیں بن سکتی۔ میرا دل تو تمہارے محل میں نہیں ہے
اسے تو اُن لوگوں نے گرفتار کر رکھا ہے۔"

عمر کہنے لگا کہ اے جانِ عزیز! یہ سندھ کا حکمران تمام عمر تمہارا غلام بن کر
رہے گا اور اس محل کی رانیاں تمہاری کنیزیں بن کر خدمت کریں گی۔

کتنے ہی دن گذر گئے مگر ماروی صبر و استقلال سے اپنی روش پر قائم رہی
بارش کا موسم آگیا اب اسے بڑی شدت سے مارو یاد آتے۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ اب
مارو اپنا مال لے کر چراگاہوں کی طرف روانہ ہونے کی تیاری کرتے ہوں گے۔ وہ
بیقراری سے دھاڑیں مار کر رونے لگی۔

"بہت مینہ برسے اور ملیر میں سبزہ زار ہو گئے۔ میری آنکھوں
میں پانی بھر گیا اور میری آنکھیں اس طرف اُٹھتی رہیں
خدا جانے کب یہ محل چھوڑ کر ماروؤں سے ملوں گی۔"

"میرے جانے کے بعد جب ملیر میں بارش ہوئی تو میں کل سارا
دن اُن کو یاد کر کے نیر بہاتی رہی۔"

"میرا وطن تو ملیر ہے۔ قسمت نے محل میں لا رکھا ہے۔ میں
تو اپنے محبوب کے ساتھ مل کر برسات کا پانی پیوں گی۔
خدا کی قسم عمر نے بڑا ظلم کر کے مجھے قید کر دیا ہے۔"

دن بدن ماروی کی حالت ناگفتہ بہ ہوتی جا رہی تھی۔ کھانا پینا حرام تھا۔ ہر وقت آہ وزاری تھی۔ کپڑے پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے لیکن وہ انھیں سے اپنے جسم کو ڈھانک رہی تھی۔ ایک سال گذر گیا۔ اب اس کی حالت قریب المرگ تھی۔ عمر کو بلوا کر وصیت کرنے لگی۔

"وطن کی طرف دیکھتے ہی دم دے دوں گی۔ میری لاش کو قید نہیں کرنا، اس پردیسی کو اپنے محبوب سے الگ نہیں کرنا میری لاش کے اوپر تھر کی ٹھنڈی مٹی ڈالنا۔ جب آخری سانس دیکھ لو تو میری لاش کو ملیر لے جانا۔"

"وطن کو دیکھتے ہی میں دم دے دوں گی۔ میری لاش میرے وطن میں لے جانا اور ماروؤں کے سامنے مجھے تھر میں دفنا دینا۔ اگر میری لاش ملیر کو گئی تو میں موت کو زندگی سمجھوں گی"

عمر ماروی کی ایسی حالت دیکھ کر بہت گھبرایا۔ اور تسلّی دے کر کہا کہ اے ماروی! مجھے معاف کردے۔ میں نے تجھ پر ظلم کیا ہے۔ لیکن میں آج سے تجھے اپنی بہن سمجھتا ہوں اور جو مراعات حاکم کی بہن کو حاصل ہونی چاہئیں وہ تجھے حاصل ہوں گی۔

اس کے بعد عمر نے فوراً ملیر کی طرف سوار روانہ کئے کہ وہ ماروی کے

رشتہ داروں کو لے آئیں جن کے حوالے مارَوی کو کیا جائے۔ خبر پہنچتے ہی مارو
عمرکوٹ پہنچ گئے۔ عمر نے ان کو مالامال کر دیا اور مارَوی کو بیشتر تحائف دے کر
بڑی شان سے واپس کر دیا۔ واپس کرتے وقت ماروؤں سے اپنی زیادتی کی
معافی مانگنے لگا اور کہنے لگا کہ یہ تھر کی بیٹی، غیور اور با عصمت بیٹی تمہیں
مبارک ہو جس نے اپنے ملک اور قوم کی لاج رکھ لی۔ جسے دنیا اپنے آخری
دم تک یاد کرتی رہے گی۔

سسی پنوں

پہلے یا پیچھے مجھے محبوب کے پاس چلنا ہی ہے۔ اے پروردگار! محنت کشوں کی محنت کو ضائع نہ کر۔ مجھ تھکی ہوئی پر احسان کر تاکہ میں جیتے جی محبوب سے مل سکوں۔"

"رات کو تم ذرا دیر بھی نہ جاگ سکیں اور نیند نے تمہیں بے خبر سلا دیا۔ اب اٹھو اور محبوب کے پاس پہنچو۔ اب بیٹھنے کا کام نہیں۔ ارے کمبخت! تجھے تو مہمانوں کے پاس بیٹھ کر رات گذارنی تھی۔ اب نیند کی وجہ سے تو راستوں کی ٹھوکریں کھا رہی ہے۔"

پنوں اپنے بھائیوں کے ساتھ شراب و سرود کی محفل میں شریک تھا اس کے دو بڑے بھائی مہمان بن کر اس کے یہاں آئے تھے۔ وہ حاکم مکران کے صاحبزادے

تھے اس لئے محفل ان کے شایانِ شان منعقد کی گئی۔ سستی پنوں کا انتظار کرتے کرتے سو گئی اور پنوں کے بھائی پنوں کو عالمِ سرشاری میں اپنے ساتھ لے کر تیز رفتار اونٹوں پر مکران کی طرف روانہ ہو گئے، سسی بے خبر سوتی رہی۔

سسی، نا آنیا نامی ایک برہمن کے گھر میں پیدا ہوئی تھی۔ برہمن اور اس کی بیوی برسوں سے اولاد کے لئے ترستے تھے۔ خدا نے پیرسنی میں ایک چاند سی بچی عطا کی اور وہ دونوں خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ خاندانی رسم و رواج کے مطابق چھٹی کے دن بڑے کھانے والے تقسیم ہونے لگے اور رات بھر ناچ گانے کی محفل گرم ہوتی رہی۔ غریبوں اور محتاجوں کی گویا عید تھی۔ مکان کے ہر گوشہ میں لوبان اور اگر جلنے لگے۔ گلاب کے پھولوں کی خوشبو سے پورا گاؤں مہک اٹھا۔ خوشگوار فضا چراغوں کی روشنی سے جگمگا اٹھی اور ہر شخص بچی کی درازیٔ عمر کے لئے دعائیں کرنے لگا۔

پو پھٹنے کے وقت خاندانی دستور کے مطابق جوتشی سے بچی کی جنم پتری کی جانچ پڑتال کے لئے کہا گیا۔ جوتشی بڑے غور و فکر سے اپنے کام میں منہمک ہو گیا۔ سب اہلِ خانہ خاموش بیٹھ کر جوتشی کی کارکردگی کو دیکھ رہے تھے۔ اچانک جوتشی کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا اور وہ بڑی رازداری سے برہمن کے کان میں کچھ کہنے لگا۔ جاڑے کی ٹھٹھرتی ہوئی صبح تھی پھر بھی برہمن کے ماتھے سے پسینہ چھوٹنے لگا۔ اور چند لمحے موت کی سی خاموشی چھائی رہی۔ ہوش سنبھالنے کے بعد برہمن نے دو اور جوتشی بلوا لئے۔ سب متفق ہو گئے اور اعلان ہوا کہ لڑکی کا بیاہ کسی مسلمان سے ہو گا۔

یہ کلنگ کا ٹیکہ برہمن کیسے برداشت کرسکتا تھا۔ بچی کو ایک پیٹی میں بند کر کے بادلِ ناخواستہ دریا میں ڈال دیا گیا۔ وہ پیٹی تیرتی ہوئی بھنبھور کے کنارے آلگی اسی شہر میں ایک دھوبی رہتا تھا جو لالا کے نام سے مشہور تھا، اور اپنی برادری کا سردار تھا۔ وہ ایک متمول شخص تھا اور پانچ سو کاریگر اس کے پاس کام کرتے تھے۔ وہ اولاد سے محروم تھا۔ اس کے نوکر دریا کے کنارے پر کپڑے دھو رہے تھے کہ پیٹی آکر کنارے لگی۔ نوکر پیٹی اٹھا کر مالک کے پاس پہنچے۔ لالا نے جیسے ہی پیٹی کھولی اور ایک پھول سا بچہ دیکھ کر متحیر سا ہوگیا۔ لالائن بھی موقعۂ واردات پر پہنچ گئی۔ بچے کو دیکھ کر اس کی باچھیں کھل گئیں۔ بچہ کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ رات کے لئے بڑی دعوت کا اعلان کیا گیا۔ اس خوشی میں کاریگروں کو انعام کے ساتھ چھٹی مل گئی۔ بکریاں کٹنے لگیں اور رنڈیاں ناچنے لگیں۔ رات کو بڑی محفل ہوئی اور لڑکی کا نام سسئی رکھا گیا۔ لالا نے دل کھول کر خرچ کیا۔ اور سب لوگ اس "اللہ کی دین" پر لالا کو مبارک باد دینے لگے۔

سسئی بڑے ناز و نعم سے پلنے لگی۔ دن گذرتے دیر نہیں لگتی وہ بچپن کی تمام منزلیں طے کر کے عالمِ شباب میں پہنچ گئی۔ گویا چودھویں کا چاند بن کر بھنبھور کے شہر کی زینت بنی۔ سسئی کے حسن کی شہرت وادیٔ مہران کے گوشہ گوشہ تک پہنچ چکی تھی۔ بھنبھور کا پورا شہر اس محبوبِ دلنشین کا متوالا تھا۔ شہر کے سب نوجوان اس شمعِ انجمن کے پروانے تھے۔ لالا نے اس کے آرام و آسائش کے لئے ہر چیز کا انتظام کر رکھا تھا۔ اس کی شان شہزادیوں سے کم نہ تھی۔

بھنبھور سندھ کا ایک تجارتی مرکز تھا۔ تمام اطراف کے سوداگر کاروبار کے

کے سلسلے میں اس شہر میں آتے رہتے تھے۔ پھر کیچ د مکران کے قافلے اس راستہ سے وادیٔ مہران کی تمام مشہور تجارتی منڈیوں کی طرف جاتے رہتے تھے۔ مکران کے ایک قافلہ سالار کی مکران کے والی آری جام کے چھوٹے لڑکے سے دوستی تھی۔ قافلہ سالار سے پنوں نے سسی کے حسن کی تعریف سنی۔ نوجوان شہزادہ تعریف سنتے ہی سسی کا دلیوانہ بن گیا اور دن رات اسی فکر میں محو رہا کہ کسی طرح اس محبوبِ دلفریب کا دیدار کیا جائے۔ حاکم کو اپنے چھوٹے صاحبزادے سے بیحد محبت تھی وہ کبھی بھی پنوں کو اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتا۔

آخر والدہ کی سفارش پر پنوں نے اجازت لے لی اور مشک و عنبر کا تاجر بن کر اپنے پُر اہتمام قافلے کے ساتھ بھنبھور جا پہنچا۔ مشک و عنبر کی خوشبو سے تمام شہر مہکنے لگا اور اس قافلہ کی تعریف شہر کے قرب و جوار میں پھیل گئی۔ سسی کو ایسی چیزوں سے بڑا لگاؤ تھا۔ وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ قافلہ کی منزل پر پہنچ گئی پنوں، سسی کا حسن دیکھ کر دنگ رہ گیا اور سوچنے لگا کہ زندگی کا گوہرِ مقصود یہی ہے۔ سسی بھی ایک نظر میں اپنے طالب کے احساسات کو بھانپ گئی اور سمجھنے لگی جیسے ازل سے ان کا رشتہ طے ہوگیا ہو۔ خرید و فروخت کا معاملہ مسلسل چلتا رہا اور یہ طالب و مطلوب ایک دوسرے کے قریب ہوتے گئے۔

پنوں نے ہزار منت سماجت کے بعد لالا کو راضی کر لیا اور شادی کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔ پنوں نے اقرار کیا کہ وہ زندگی بھر لالا کے ساتھ بھنبھور میں رہے گا۔ شادی کی تاریخ آگئی۔ بڑی دھوم دھام سے شادی ہوئی اور دونوں زندگی بھر کے لئے ایک دوسرے کے ہوگئے۔ ان کے لئے ہر روز، روزِ عید تھا اور ہر

شب، شب برات۔

دن گذرتے گئے۔ آری جام پنوں کی جدائی میں بے حد افسردہ خاطر ہو گیا۔ کچھ دنوں کے بعد پنوں کی شادی کی خبر سننے کے بعد اتنا نڈھال ہوا کہ بچنے کی کوئی امید ہی نظر نہیں آتی تھی۔ والد کا یہ حال دیکھ کر لڑکوں سے رہا نہ گیا۔ بڑے صاحبزادے نے انہیں یہ یقین دلایا کہ وہ پنوں کو ضرور واپس لے آئے گا۔

لڑکے سفر کا سامان درست کرکے بھنبھور کی طرف روانہ ہوئے اور کچھ دنوں کے سفر کے بعد بھنبھور میں منزل انداز ہوئے۔ پنوں کو اپنی آمد سے مطلع کیا اُس نے بڑے عزت و احترام سے بڑے بھائیوں کا خیر مقدم کیا۔ سسی نے ان کی خدمت کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ سسی کی صورت و سیرت کے وہ بھی قائل ہو گئے۔ لیکن والد سے ان کا وعدہ انہیں پنوں کو اڑا لینے کی اسکیم پر سوچنے کے لئے مجبور کر رہا تھا۔

پنوں نے ایک رات بڑی دعوت کا انتظام کیا۔ جس میں شہر کے تمام معززین کو مدعو کیا گیا تھا۔ یہ شراب و سرود کی محفل کافی رات تک چلتی رہی۔ محلس کے اختتام کا انتظار کرتے کرتے سسی سو گئی۔ مہمان روانہ ہو چکے تھے۔ بھائیوں نے پنوں کو خوب پلا رکھی تھی۔ نشے نے پنوں کو مدہوش کر دیا۔ بھائیوں نے سسی کی طرف سے بھی اطمینان کر رکھا تھا۔ اب اچھا موقعہ تھا۔ انہوں نے پنوں کو اٹھا کر تیز رفتار اونٹ پر باندھ دیا اور خود اپنے اونٹوں پر سوار ہو کر کیچ کی طرف روانہ ہو گئے۔

پو پھٹنے سے پہلے سسی کی آنکھ کھل گئی۔ پنوں کا پلنگ خالی دیکھ کر وہ بڑی گھبرائی اور پریشانی کے عالم میں ایک کمرے سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے کمرے کو بھاگتی رہی۔ اسی گھبراہٹ میں وہ اپنے مکان سے باہر نکل گئی اور دیوانوں کی طرح ہر طرف پنوں کو پکارتی رہی۔ سسی کے چلانے کی آواز سن کر لالا کی آنکھ کھل گئی۔ وہ بھاگتا ہوا باہر نکل آیا اور سسی کو پریشان حال دیکھ کر گھبرا گیا۔ اڑوس پڑوس والے جمع ہو گئے اور سسی کو اطمینان دلانے لگے کہ پنوں بھائیوں کے ساتھ کہیں نکل گیا ہے، آجائے گا۔ لیکن سسی کا دل بیٹھنے لگا تھا اُسے ایک لمحہ بھی چین نہیں پڑ رہا تھا۔ وہ اونٹوں کے پیروں کے نشان دیکھ کر بھاگی جا رہی تھی اور کہتی جا رہی تھی کہ:-

"محبوب کی طرف دل کے ساتھ چل، پیروں سے چلنا بھول جا۔ اگر کسی قاصد کے انتظار میں رہی تو تو کبھی کیچ تک نہیں پہنچ سکتی۔"

"محبوب کی طرف دل کے ساتھ چل اور گردن کو دور پھینک دے۔ جنہوں نے بھی گردن اونچی کی وہ آری قوم سے دور رہ گئیں۔"

سسی کو بے حال دیکھ کر اس کی سہیلیاں اسے تسلی دینے لگیں وہ کہنے لگیں۔

"خدا کرے میری سہیلیوں کا عشق گھر میں ہی موجود رہے۔
مجھ بدنصیب کے ساتھ کون پہاڑوں میں چلے گی۔"

"اے سہاگنو! واپس جاؤ۔ میں بغیر سہاگ کے واپس نہیں
آؤں گی۔ میں تو اس سخت پہاڑ کی جڑ کو دیکھوں گی۔
بلوچ قوم سے ذرا دیر کے لئے بھی عشق منقطع نہیں کیا جاسکتا"

"تم بھاگ جاؤ، تم سہاگنیں ہو۔ فراق کی تکلیف بہت بڑی
تکلیف ہوتی ہے۔ جن کے دل جلتے ہوں وہی کوہساروں
پر جائیں گی۔"

وہ اونٹوں کے پیروں کے نشان دیکھتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ بالکل
تنہا اور بے سروسامانی کی حالت میں اپنے محبوب کا نام پکارتی ہوئی جنگل وصحرا
میں گرتی گراتی، ٹھوکریں کھاتی اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی۔

"پاؤں زخمی ہو چکے تھے اور ان سے خون بہہ رہا تھا۔ جیسے بھی
ممکن ہوا سے پنوں کی طرف جانا تھا۔ کاش اب کہ وہ اس سے
جا کر ملے جب سے اس کا رشتہ ہو چکا تھا۔"

"تمام عمر جو عشق میں پنوں کو پوچھ رہی ہیں اُن سے کم ظرف
کس طرح مقابلہ کرسکتی ہیں۔ جو راہ میں جاتے ہوئے مر جائیں
اُن کے بڑے نصیب ہوں گے۔"

سسی اپنے محبوب کو یاد کرتی ہوئی بھنبھور سے اسّی میل کے فاصلے
پر پب جبل کے نزدیک پہنچ گئی۔ پیاس کی شدت اور تھکاوٹ نے اسکا
بُرا حال بنا دیا تھا۔ دو چار قدم چلنے کے بعد وہ گر گئی اور ایڑیاں رگڑنے لگی
لیکن زبان پر وہی ورد جاری تھا۔

یہ پہاڑ اور ان کے سنگلاخ راستے عبور کرنے ہوں گے۔
پنوں کے پیچھے چلنا میرے لئے باعثِ سعادت ہے۔ مجھ پر
یہی ذمہ داری عائد ہوگئی ہے اور ایک جگہ بیٹھنا میرے بس
کی بات نہیں۔"

وہ پیاس سے تڑپ رہی تھی۔ خدا کا بڑا کرم ہوا کہ اسی جگہ سے ایک چشمہ
پھوٹ نکلا۔ یہ کرشمہ دیکھتے ہی وہ سر بسجود ہوگئی۔ چشمے کے صاف پانی سے
پیاس بجھا کر اور کچھ جنگلی پتّے کھا کر تازہ دم ہونے کے بعد پہاڑ پر چڑھنے لگی اس
وقت وہ کہہ رہی تھی۔

"مرنے سے پہلے جو مر گئے، وہ مر کر بھی ختم نہ ہو سکے۔ وہ ہمیشہ
زندہ رہیں گے جو جینے سے پہلے جیئے۔"

سب تھل کو پار کر کے وہ ہاڑتھے پہاڑ کے نزدیک بھوڑ ندی کے پاس پہنچی۔

"میرے رازداں چلے گئے میں کس سے اپنے دکھوں کا ذکر کروں۔ اپنے
شہر دیا کے ساتھ میں پہاڑوں میں تڑپ رہی ہوں۔ کون سے
قاصد سے پوچھوں اب تو بیٹھنا بھی اپنے بس میں نہیں۔"

پانی کے سیلاب کی وجہ سے وہ رک گئی اور ناامید ہو کر کسی دوسرے راستے کی تلاش میں واپس لوٹی اور چلتے چلتے ماباآٹھر کے نزدیک پہنچی۔ دور سے ایک چھوٹی سی پہاڑی پر کوئی جھونپڑی نظر آئی۔ سسی لپک کر پہاڑی پر چڑھنے لگی اتنے میں جھونپڑی سے ایک چرواہا نمودار ہوا، وہ تیزی سے اس کے پاس پہنچی اور بڑی لجاجت سے اس سے پوچھنے لگی "میرے بھائی! تم نے کوئی اونٹوں کا قافلہ یہاں سے گزرتے ہوئے دیکھا۔" چرواہا ایسی موہنی صورت دیکھ کر دنگ رہ گیا اور للچائی ہوئی نظروں سے اُسے دیکھنے لگا۔ وہ بھی ایسی نظروں کو بھانپ گئی اور رونی صورت بنا کر کہنے لگی کہ "اے بھائی! بہت دلوں سے بھوکی پیاسی ہوں اگر کوئی روٹی کا ٹکڑا مل جائے تو احسان ہوگا۔" چرواہے کا دل خوش ہو گیا اور اپنے آپ سے کہنے لگا کہ پنچھی جال میں پھنس گیا، اب کہاں نکل سکتا ہے۔ وہ تیزی سے اپنی

جھونپڑی کی طرف چلا گیا اور دودھ دوہنے بیٹھ گیا۔ موقعہ پاکر سسی سجدہ میں گر گئی اور گڑگڑا کر کہنے لگی۔

"اے ستار! مجھ بے بس و مجبور کی لاج رکھ۔ اپنے حبیب کے صدقہ میں مجھے اس درندے سے بچا لے۔"

دعا فوراً مستجاب ہوئی، پہاڑی پھٹ گئی اور سسی اس میں داخل ہو گئی سسی کے داخل ہونے کے بعد پہاڑی ہموار ہو گئی۔ چرواہا جب دودھ روٹی لے کر باہر آیا اور سسی کو وہاں نہ پایا تو ہکا بکا سا ہو گیا۔ یک بیک اس کی نظر دوپٹے کے آنچل پر پڑی جو کچھ باہر رہ گیا تھا۔ اُسے تعجب کے ساتھ بڑا خوف بھی پیدا ہوا۔ قدرت کا یہ عجیب و غریب کرشمہ دیکھ کر اس کی گردن بارِ ندامت سے جھک گئی۔ وہ بہت پشیمان ہوا اور توبہ و استغفار کر کے کچھ پتھر جمع کئے تاکہ مرحومہ کی قبر بنا سکے۔

راستہ میں پنوں نشے کے خمار سے چونکا تو اپنے آپ کو اونٹ سے جکڑا ہوا پایا خود کو اس بے بسی کی حالت میں دیکھ کر وہ تڑپ گیا۔ بڑا جھنجھلایا اور اپنے بھائیوں کو بُرا بھلا کہنے لگا لیکن چھٹکارا پانے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ منزلیں طے کرتے ہوئے وہ اپنے ملک پہنچ گئے۔ پنوں کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ بھائیوں نے گھر پہنچکر اُسے آری جام کے حوالے کر دیا۔ جام بہت خوش ہوا۔ لیکن پنوں کی دن بدن گرتی ہوئی حالت دیکھ کر گھبرا گیا۔ پنوں کا کھانا پینا حرام ہو گیا۔ وہ سسی کی یاد میں ہر لمحہ تڑپتا رہا۔ جام کو اس کی موت کا اندیشہ ہونے لگا۔ آخر مجبور ہو کر اس نے یہ اجازت دیدی کہ پنوں سسی کو اپنے ساتھ لے آئے۔ پنوں بہت خوش ہوا۔ اور ایک مختصر سا قافلہ لے کر بھنبھور کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ قافلہ بڑی تیزی سے

آگے بڑھ رہا تھا۔ جب پنوں اس پہاڑی کے قریب پہنچا جہاں سسی کی قبر تھی تو کسی ماورائی کشش نے اسے قبر پر فاتحہ پڑھنے کی طرف رجوع کیا۔ وہ فاتحہ پڑھ ہی رہا تھا کہ باہر نکلے ہوئے آنچل نے اسے حیرت میں ڈال دیا۔

حقیقت معلوم کرنے کے لئے وہ اسے کھینچنے لگا۔ اسی وقت چرواہا وہاں پہنچ گیا۔ کہنے لگا۔ اے پردیسی! کیوں خواہ مخواہ کپڑے کو نکالنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ کسی کی عزت ہے جوان پہاڑیوں میں پوشیدہ ہے۔ پنوں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا اور تفصیل سے سب کچھ معلوم کرنے کے لئے بیتاب ہو گیا۔

چرواہے نے تمام ماجرا بیان کیا۔ پنوں بے قابو سا ہو گیا اور زار زار قطار رونے لگا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد وہ فوراً سجدے میں گر گیا۔ اور رقّت آمیز آواز سے کہنے لگا۔

"اے پروردگار! تو بچھڑوں کو ملاتا ہے، مجھے بھی اپنے محبوب سے ملا دے۔"

اس کے دردمند دلِ مہجور کی دعا قبول ہوئی۔ ذرا سی دیر میں پہاڑی پھٹ گئی اور پنوں خود رفتگی کے عالم میں ہمیشہ کے لئے اپنے محبوب پر قربان ہو گیا چرواہا اپنے سارے کام کاج چھوڑ کر ان کے مزار کا مجاور بن بیٹھا اور حسن و محبت کی ایک دلدوز داستان سینۂ گیتی میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئی۔

ادارۂ مصنفین پاکستان (سکھر شاخ)

Title Printed At The Amir Printing Press Sukkur.